خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان ؒ

ماہنامہ

مِلّیّہ

فیصل آباد
پاکستان

رمضان کریم

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

رمضان المبارک
۱۴۴۷ھ

مارچ 2026 ء

- رمضان المبارک، زکوٰۃ اور دینی مدارس — مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی
- رمضان کیوں آیا ہے؟ — حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب
- رمضان المبارک کی امتیازی عبادت نماز تراویح
- مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ
- مجلس نفیس

بیاد

ابنِ انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد

041-8711569

www.milliafsd.com

خوشا! زندگی پھر سے رمضان آیا

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خوشا! زندگی پھر سے رمضان آیا
خداوند کی رحمتیں ساتھ لایا

گھٹا مغفرت کی برستی ہے اس میں
وہی ہے وَلی بس جو اس میں نہایا

اسی میں ہے اُترا خدا کا یہ قرآں
کلامِ خدا پھر جہاں بھر میں چھایا

اسی ہی مہینے میں ہے لیلۃ القدر
ہے بخشش اُسی کی اِسے جس نے پایا

رہیں عاشقانِ خدا دن کو بھوکے
تو راتوں میں اُس کی لگن نے جگایا

تراویح کی پھر سے صفیں بچھ گئی ہیں
ہے قاری نے قرآن پڑھ کر سنایا

خدا سب کے روزوں کے رازوں سے واقف
کہ خود تمغۂ عشق اُن پہ سجایا

سبھی مل کے اب ہم خدا کو منالیں
کہ لطف و کرم کا رہے ہم پہ سایا

حبیبِ حزیں کی سبھی لغزشوں کو
مٹادے تُو عفو و کرم سے خدایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائپوری رحمہ اللہ کا ترجمان

ملیہ

فیصل آباد پاکستان

رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ

شمارہ نمبر 9 جلد نمبر 22

بمطابق مارچ 2026ء

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمہ اللہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ

بیاد

مولانا انیس الرحمن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ)

فہرست مضامین

* رمضان المبارک، زکوٰۃ اور دینی مدارس — 2
مولانا حماد الرحمن لدھیانوی
* مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ — 10
* مجلس نفیس — 13
* رمضان کیوں آیا ہے؟
حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب
* رمضان المبارک کی امتیازی عبادت نماز تراویح — 20
* تاریخ ختم نبوۃ تاریخ کے آئینے میں — 29
* مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا جائزہ — 34
(مولانا عزیز الرحمن جامی لدھیانوی)
* خواتین کے صفحات خادمۃ القرآن — 39

مدیر
مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

مدیر مسئول
مولانا جواد الرحمن الدھیانوی

فی شمارہ 80 روپے
پاکستان میں سالانہ 1000 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک ۱۰۰ امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے
ملیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ
متصل
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان
041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی
مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

رمضان المبارک، زکوٰۃ اور دینی مدارس

حماد الرحمن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

رمضان المبارک کے مہینہ میں جب نیکیوں پر اجر کا تناسب غیر رمضان کے مقابلہ میں کئی گنا بڑھ جاتا ہے، ہر آدمی کی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کے راستے میں رمضان المبارک میں خوب خرچ کرے حتی کہ زکوٰۃ جیسا فرض جو ہر مسلمان صاحب خیر پر سال کے مکمل ہونے پر لازم ہے اور اس کے لیے رمضان کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے، اسے ابھی اجر کی زیادتی کی خاطر رمضان المبارک میں ادا کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی علیہ صلی اللہ صولی کے لیے ہر طرح کے لوگ میدان میں آجاتے ہیں، حتی کہ افطاری دسترخوان کے نام پر زکوٰۃ وصول کر لی جاتی ہے، اور چند دن دسترخوان لگا کر خوب پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ہم انسانیت کے بڑے خیر خواہ ہیں، اور بے چارے دینی مدارس جو سارا سال اپنے لاکھوں طلبا کے لئے نہ صرف دسترخوان لگاتے ہیں بلکہ ان کی رہائش، اور تعلیمی اخراجات کے علاوہ مکمل کفالت کرتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں،

میرے والد ماجدؒ نے اس پر اپنے سفری مشاہدات و تجربات پر اس سلسلہ میں ماہنامہ ملیہ میں اس پر خوب لکھا تھا جس کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا ہے، چنانچہ پوری دنیا میں زکوٰۃ اکٹھی کرنے کے نام پر انٹرنیشنل کاروباری کمپنیاں کھل کر میدان عمل میں آچکی ہیں۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کو دھوکہ دے کر بے دریغ لوٹا جا رہا ہے۔ بچوں اور بوڑھے بھوکے پیاسے لوگوں اور پانی اور غذا سے محروم لوگوں کی تصویریں اخبارات اور انٹرنیٹ پر اشتہارات کے ذریعے اور ٹی وی میڈیا پر اعلانات دکھا کر مخلص مخیر حضرات کو لوٹا جا رہا ہے۔ اور لوٹنے والے وہ لوگ ہیں جن کو بذات خود اسلام کے نظام زکوٰۃ سے چڑ

ہے اور انہوں نے خود کبھی زندگی بھر زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ مگر زکوٰۃ کی وصولی کے تمام احکام ان کو ازبر ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتے ہی اب ہر اخبار، فیس بک، اور ٹی وی میڈیا میں دکھی انسانیت کے نام پر زکوٰۃ مانگنے کا دھندہ عروج پر ہے۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ جب زکوٰۃ کا پیسہ لینا لوگوں کے نزدیک شرمندگی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ زکوٰۃ کی رقم کو مال کا میل سمجھا جاتا تھا، اگر کوئی زکوٰۃ لیتا تھا تو معاشرے میں وہ شخص ناپسندیدہ کہلاتا تھا۔ جہاں جہاں پر مسلمان حکومتیں قائم تھیں وہاں وہاں حکومت وقت خود زکوٰۃ وصول کر کے مستحق افراد میں تقسیم کرتی تھی، تو مانگنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ ۱۸۳۵ء میں انگلستان سے ایک وفد ہندوستان کے معاشی نظام کا جائزہ لینے کے لئے آیا تو اس وفد نے واپس جا کر رپورٹ دی کہ ہم پورے ہندوستان میں پھرے ہیں مگر کراچی سے کلکتہ تک ہمیں کوئی مانگنے والا نظر نہیں آیا۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت زوال پذیر تھی۔ اس کے باوجود حکومت کی طرف سے بڑے بڑے تعلیمی ادارے چلائے جا رہے تھے، سب کا وظیفہ مقرر تھا۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء فضلاء اور ہنر مند پیدا ہو رہے تھے۔ ہندوستان میں باہر سے آ کر بڑے بڑے بزرگوں نے خانقاہیں کھولیں، جن سے بڑے بڑے صوفیا پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ عرف داتا گنج بخش، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ فرید گنج شکرؒ، اور دیگر سینکڑوں بزرگوں نے اسلامی تعلیمات و تربیت کے ذریعہ دین کو پھیلایا۔

ان کی خانقاہوں میں لاکھوں افراد ان سے کسب فیض کیا کرتے۔ پھر آگے چل کر وہی لوگ اسلام کو پھیلانے کا ذریعہ بنے۔ اسی طرح علماء نے بڑے بڑے مدارس بنائے جن سے شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، اور ان کے صاحبزادگان، شبلی نعمانیؒ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور دیگر ہزاروں علماء پیدا ہوئے۔ مگر ان سب کے خراجات حکومت وقت کے وظیفے یا عوام الناس کے تعاون سے پورے کیے جاتے رہے۔ ان میں کہیں بھی زکوٰۃ کا ذکر نہیں ملتا۔

۱۸۵۷ء میں جب انگریز کے خلاف معرکہ ہوا تو اس میں فرضیت جہاد کا فتویٰ انہی دینی مدارس سے فاضل علماء نے دیا تھا، جنگ آزادی ناکام ہونے کے بعد انگریز نے ان علماء کو پھانسیاں دیں۔ اور جو باقی رہ گئے تھے ان کو یا تو جیلوں میں بند کر دیا یا پھر جزائر انڈمین (کالا پانی) بھیج دیے

گئے، یہاں تک کہ ان کے جنازے وہاں سے برآمد ہوئے۔ یا پھر علما کو معاشرے میں وہ مقام دیا جو کہ سب سے گھٹیا تھا۔ انہیں گاؤں کے مسلّی کا مقام دیا جو کہ علاقے کے زمیندار یا نواب کے سامنے زمین پر بیٹھتا تھا، اس کے برابر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

اس وقت انگریز نے مسلمانوں کے دلوں سے اسلامی نظامِ تعلیم و تربیت کو نکالنے کے لئے اسلام ہی کے نام سے اسکول و کالج قائم کئے، جیسا کہ مسلم علی گڑھ یونیورسٹی وغیرہ۔ اور ان کی بھرپور مالی سرپرستی کی تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا عقیدہ اور جذبہ نکالا جائے۔ دوسری طرف وہ علماء تھے جنہیں دینی علوم اور دینی تربیت کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا، جو کہ مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے تباہ کن تھا۔ مسئلہ صرف یہ تھا کہ جب ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی تھی تو مسلمان باقاعدگی کے ساتھ اپنے مال میں سے سالانہ زکوٰۃ وعشر حکومت وقت کو ادا کیا کرتے تھے، جس کو حکومت وقت رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرتی تھی۔ اب جبکہ ہندوستان پر غیر مسلم انگریز حکومت قائم ہو چکی تھی اور علمائے ہند نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیدیا تھا تو مسئلہ کی رُو سے غیر مسلم حکومت کو زکوٰۃ یا عشر نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس مسئلہ میں زکوٰۃ وعشر کو فریضہ سمجھ کر ادا کرنے والے مسلمان پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے۔

تو اس وقت کے متبحر علماء نے ایک طرف تو دینی مدارس کے قائم کرنے کا پروگرام بنایا تو مسئلہ یہ تھا کہ انگریز کسی صورت دینی اداروں کی مالی سرپرستی کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ تو علما نے اجتہاد سے اس مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ مخیّر مسلمانوں سے رابطہ کر کے ان سے زکوٰۃ، صدقات، قربانی کی کھالوں اور عشر کی مد میں امداد لی جائے، جن سے دینی مدارس کو چلایا جائے۔ چنانچہ ۱۸۶۲ء میں ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے شہر لدھیانہ میں خاندانِ علماء لدھیانہ (جو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں فرضیت جہاد کا فتویٰ دیکر اس میں شرکت بھی کر چکے تھے اور بعد میں عام معافی کے اعلان کے بعد روپوشی ختم کر کے لدھیانہ میں واپس آچکے تھے) نے لدھیانہ شہر کی دو منزلی مسجد میں ''مدرسہ اللہ والہ'' قائم کیا۔ اس کے بعد دیوبند میں انار کے درخت کے نیچے ۱۸۶۷ء میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اور اُسی سال سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں یہ طے پایا گیا کہ ان مدارس کو چلانے کے لئے غیر مسلم حکومت یا کسی مسلم ریاست سے مالی امداد نہیں لی جائے گی۔ ان

مدارس کو صرف اور صرف ہندوستان کے مخیر مسلمانوں کے چندے یا زکوٰۃ وعشر سے ہی چلایا جائے گا۔ چنانچہ ہندستان کی دین کا درد رکھنے والے مسلمانوں نے زکوٰۃ، صدقات اور عشر سے دل کھول کر ان مدارس کی امداد کی۔ انگریز چونکہ ان مدارس کی امداد نہیں کرتا تھا اس نے اس طرف توجہ نہیں دی۔

البتہ زکوٰۃ وعشر سے چلنے والے یہ مدارس اس طبقے کے طرف سے تضحیک کا نشانہ بننا شروع ہو گئے جو کہ انگریز کے تربیت یافتہ تھے۔ ان مدارس اور ان سے فارغ شدہ مولویوں کو یہ کہہ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا کہ یہ لوگ مسلمانوں کی کیا تربیت کریں گے جو کہ مال کا میل ''زکوٰۃ، صدقہ اور عشر کی پیداوار ہیں، دینی مدارس زکوٰۃ وصدقہ کی رقم سے ملک پر بوجھ بننے والے افراد پیدا کرتے ہیں''۔ اس کی ایسی تشہیر کی گئی کہ وہ لوگ جو کہ مالدار تھے ان میں سے اکثر لوگوں نے اپنی اولاد کو دینی مدارس میں بھیجنے کی بجائے سکولوں اور کالجوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ رسم عام ہو گئی کہ دینی مدارس میں صرف وہ لوگ داخل ہونے لگے جو کہ غریب ومسکین ومحتاج تھے۔ وہ زکوٰۃ اور صدقات کے مال سے پڑھتے بھی رہے اور پلتے بھی رہے۔ البتہ مخیر مسلمان مال دار لوگوں نے زکوٰۃ، صدقات اور عشر کے ذریعہ دینی مدارس کی سرپرستی میں کمی نہیں آنے دی۔ دینی مدارس دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرتے رہے۔ اس میں مالی طور پر بنیادی کردار زکوٰۃ وصدقات، قربانی کی کھالوں اور عشر کے نظام کا تھا۔ پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ انہی دینی مدارس سے ہندوستان کی آزادی کی تحریک اٹھی اور پورے ہندوستان کو آزاد کرا گئی۔ مگر آزادی کے ساتھ ساتھ اس کو تقسیم بھی کر گئی۔ ہندوستان میں ہندو حکومت ہونے کے وجہ سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ مسلمان دینی مدارس کی مالی سرپرستی کرے گی۔ اس لئے ہندوستان کے علماء نے اُسی سلسلہ کو جاری رکھا۔ مگر پاکستان کی صورت میں ایک اسلامی ریاست بن گئی تھی تو امید بندھی تھی شاید اس اسلامی ملک میں دینی مدارس کی مالی سرپرستی ہو جائے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد'' والا معاملہ ہوا۔ یہاں پر انگریز کے تربیت یافت افراد کو اقتدار ملا جن کو یہی سکھایا گیا تھا کہ یہ دینی مدارس تمہاری ترقی میں رکاوٹ ہونگے۔ چنانچہ یہاں پر دینی مدارس چلانے والوں کی باقاعدہ ایک منظم تحریک کی شکل میں حوصلہ شکنی کی گئی۔ مگر اللہ جزائے خیر دے ان مخیر مالدار مسلمانوں کا کہ انہوں نے پرائیویٹ طریقہ سے دینی مدارس کے مالی نظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک وقت ایسا تھا کہ لوگ زکوٰۃ، صدقات، عشر اور قربانی کی کھالیں دینی مدارس کا ہی حق سمجھتے تھے۔ کسی دوسرے غریب

یا اپنے کسی مستحق رشتہ دار کی اگر مدد کرنا چاہتے تھے تو دوسری مد کی رقم سے مدد کرتے تھے تاکہ رشتہ دار یہ نہ سمجھے کہ اس کی زکوٰۃ یا صدقہ کی رقم سے مدد کی گئی ہے۔ ایسی رقم سے کسی غریب رشتہ دار کی مدد کرنے کو بھی عیب سمجھا جاتا تھا۔

مگر ۱۹۷۹ء میں جب سوویت یونین نے افغانستان میں قدم رکھا تو اس کے مقابلے کے لئے اس خطہ میں کوئی مزاحمتی طاقت نظر نہ آئی۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کیمونزم کے دلدادہ تھے۔ ملک میں ادبی لفنگے، فلسفی گرگے، کالجوں کے آوارہ اور لادین پروفیسر اور سیکولر جج! یہ سب لوگ ملک میں سرخ انقلاب کا خواب سجائے بیٹھے تھے، ملک کا دانشور طبقہ روسی انقلاب کو ویلکم کر رہا تھا تو ایسی صورت میں صرف اور صرف دینی مدارس کے فارغ التحصیل یا دورانِ تعلیم تعلق رکھنے والے طلباء اپنے طور پر ہی اپنے ملک کی دفاعی حکمت علمی کو سامنے رکھتے ہوئے سوویت یونین کے خلاف مزاحمت کو جہاد کا نام دے کر اس میں کود گئے، یہاں تک کہ سوویت یونین ذلیل خوار ہو کر افغانستان سے رخصت ہوا۔ یہ ان دینی مدارس سے تعلق رکھنے والوں کے حوصلے کا صلہ تھا جو کہ زکوٰۃ صدقات عشر اور قربانی کی کھالوں سے حاصل شدہ مالی سرپرستی میں چل رہے تھے۔ اس ساری صورتحال کو غیر مسلم طاقتیں دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے یہ سوچا کہ اگر دینی مدارس کی سرپرستی کا مالی تعاون اسی طرح رہا تو آئندہ یہ ہماری راہ میں بھی مزاحم ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کے مالی و معاشی نظام جو کہ دینی مدارس کی سرپرست کر رہا تھا اس پر ضرب لگانے کا پروگرام بنایا، اور اس کی ابتدا پاکستان سے شروع کی۔ عالمی استعمار کو اس بات کا علم تھا کہ سوویت یونین کے ٹوٹنے سے دینی مدارس کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ انہی دنوں پاکستان میں ہر ایرے غیرے نتھو خیرے نے ہسپتال بنا کر "مخیر" حضرات کو دکھی انسانیت کے نام پر لوٹنا شروع کر دیا۔ اور دینی مدارس کی تردید اس صورت میں کرنی شروع کر دی کہ یہ مدارس بے کار لوگ اور ملک پر بوجھ والے افراد پیدا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان دینی مدارس پر دہشت گردی کا لیبل لگانا شروع کر دیا گیا۔ پاکستان میں ایدھی ٹرسٹ کے نام سے پہلے ہی ایک ادارہ کام کر رہا تھا، یہ ادارہ کراچی یا اسلام آباد تک محدود تھا، اس کی اتنی شہرت نہ تھی، چنانچہ اس کو مزید فعال بنایا گیا یہ ادارہ جو کہ دو شہروں تک محدود تھا اس کا دائرہ کار ایک دم امریکہ اور برطانیہ تک بڑھا دیا گیا۔

۱۹۸۸ء میں جب میں امریکہ گیا ہوا تھا تو دیکھا کہ وہاں کے اخبارات اور ٹی وی پر ایدھی

ٹرسٹ کا بھر پور پروپیگنڈا کیا جارہا ہے، یہ شعبان کے مہینے کے آخری دن تھے، لوگوں سے اپیل کی گئی کہ اپنی زکوٰۃ صدقات وغیرایدھی ٹرسٹ کو دیں۔ عبدالستار ایدھی نے کئی ٹی وی اسٹیشنوں پر ببانگ دہل کہا کے میں اللہ اور نبی ﷺ کے لئے نہیں بلکہ انسانیت کے نام پر اپیل کر رہا ہوں۔ چنانچہ انہی دنوں امریکی حکومت کی طرف سے ایدھی ٹرسٹ کو چار ہیلی کاپٹر ایمبولینس کے نام پر دیئے گئے۔ ایدھی ٹرسٹ کا عالم یہ ہے کہ وہ مال کے لئے ہر ایک سے وصولی کرتا ہے اُسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ دینے والا مسلمان بھی ہے یا نہیں، اسی لئے کچھ عرصہ قبل قادیانیوں نے اُسے امن کا ایوارڈ دیا، جو کہ ایدھی نے بسرو چشم اُسے قبول کر لیا۔ اس کے نزدیک قادیانی کافر نہیں۔

اس سے پہلے ایک گانے والا گورا مسلمان ہوا، اُسے اسلام کا کوئی اور پہلو تو اچھا نہ لگا، اُسے صرف اسلام کا مالیاتی نظام ہی اچھا لگا۔ اُسے تو چاہیے تھا کہ اپنے عمل و کردار سے اسلام کی تعلیمات کو اُجاگر کر کے اپنے جیسے دوسرے گوروں کو بھی مسلمان کرتا، مگر اس نے اسلامک ریلیف بنا کر دنیا سے مال اکٹھا کرنے کا ڈھونگ رچالیا۔ اب اربوں ڈالر اس کی آرگنائزیشن کے اکاؤنٹ میں پڑے ہیں اور وہ اپنی صوابدید کی بنا پر بلا تفریق مسلمان اور غیر مسلم پر خرچ کر رہا ہے۔ اب اس کے بعد جو بھی گورا مسلمان ہوتا ہے یہی کام شروع کر دیتا ہے۔

اس کے بعد مسلم ایڈ، مسلم ہینڈ، اور باقاعدہ کچھ علماء کو بھی اس جال میں پھنسا لیا ہے، اور ”اُمہ“ کے نام سے کام شروع کر دیا گیا، اور اس تنظیم کی طرف سے مسلسل پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ مدارس میں شاید آپکی زکوٰۃ اور صدقات صحیح استعمال نہیں ہو رہے ہوں مگر ہمارے ذریعہ بالکل صحیح استعمال ہونگے۔ مقصد صرف اور صرف مدارس سے تعاون کو روکنا ہے۔

اب تو برطانیہ، کینیڈا اور امریکہ جہاں پر مسلمان کثرت سے آباد ہیں وہاں پر پہلے عام مساجد میں دینی مدارس کے امداد کی اپیل کی اجازت ہوتی تھی وہاں پر بھی اکثر مساجد نے دینی مدارس کے لئے اپیل پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اور ہر مسجد نے پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے لئے اپنی اپنی فلاحی کمیٹی بنا کر اس کے لئے چندہ شروع کر دیا ہے، اور مدارس کے لئے پابندی لگا دی ہے۔

اللہ نے قرآن میں اور رسول اکرم ﷺ نے اپنے فرمان میں اور فقہائے امت نے اپنی

تحقیقات میں زکوٰۃ،صدقات کے مصارف متعین کر دیئے ہیں، جس پر پوری امت کا اتفاق ہے مگر آجکل کے نام نہاد سکالرز کوٰۃ وصدقات کی رقم کو ہر کام کے لئے جائز قرار دیتے نظر آرہے ہیں۔اب تو کہتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ ان رقوم سے مسجد بنالو، اسلامک سینٹر بنالو، ہسپتال تعمیر کرلو، بلکہ پیس ٹی وی کے چلانے والے ڈاکٹر نائیک صاحب تو باقاعدہ اپنے ٹی وی پر یہ فتویٰ جاری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے پیس ٹی چلانے میں مدد کریں۔حالانکہ نص قطعی سے یہ حکم واضح ہو چکا ہے کہ صدقات کا ان آٹھ مصرفوں کے علاوہ کوئی اور مصرف نہیں۔قرآن پاک میں واضح کم ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔(سورۃ توبہ آیۃ ۷)

ترجمہ: بے شک تمام صدقات فقراء اور مساکین اور وہ لوگ جو کہ صدقات اکٹھے کرنے پر مقرر کئے گئے ہوں اور ایسے غیر مسلم جن کے متعلق یہ خیال ہو کہ وہ صدقات دینے کے وجہ سے اسلام کی طرف مائل ہو سکتے ہوں اور ایسے غلام جو کہ اپنی رہائی کے لئے جرمانہ ادا نہ کر سکتے ہوں اور وہ لوگ جو کہ تاوان ادا نہ کر سکتے ہوں اور جہاد میں شرکت کرنے والے مجاہدین اور مسافر۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے صدقاتِ واجبہ کے آٹھ مصرف بیان فرمائے ہیں، صدقات واجبہ میں زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی کی کھال اور عشر شامل ہیں۔ان پر کسی بھی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔پھر ان آٹھ مصرفوں کی بھی فقہائے کرام نے تشریح کردی ہے ان میں سے ان لوگوں کو نکال دیا گیا ہے جو کہ تالیف قلوب میں آتے ہیں، کیونکہ آجکل کسی کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ اس بہانے مسلمانوں کو لوٹتا رہے۔اب صرف مسلمانوں کو ہی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے جن میں یہ شرائط پائی جاتی ہوں۔

پاکستان میں جو مالدار مخیّر حضرات دینی مدارس کو امداد فراہم کرتے ہیں انہیں بھی آجکل نئے انداز میں اس مداد سے روکنے کے لئے نئے نئے خوبصورت طریقے بتائے جارہے ہیں۔ان سے کہا جارہا ہے کہ آپ لوگ دینی مدارس کی خدمت کرنے کی بجائے بذات خود دکھی انسانیت کی خدمت کے

لئے فلاحی ادارے کھولیں ۔جن میں خیراتی ہسپتال سرفہرست ہیں۔اور ان اداروں کو بہت سی حکومتی مراعات حاصل ہو جاتی ہیں،جس میں سب سے بڑی مراعت ٹیکس میں چھوٹ ہے،کئی سادہ لوگ حکومت کے اس چکر میں بھی آ گئے ہیں۔مگر پھر بھی ابھی کچھ لوگ ایسے باقی ہیں جو کہ دینی مدارس سے تعاون سے ہاتھ نہیں اٹھا رہے۔

اسی قسم کی ہوش رُبا حقیقتیں اتنی ہیں کہ بیان کرنا مشکل ہے۔جبکہ دینی مدارس میں داخل ہونے والے بچوں کے داخلے سے لے کر فراغت تک جو سہولیات مہیا کی جاتی ہیں ان میں رہائش، خوراک، تعلیم، اساتذہ کی تنخواہیں،موسم کے مطابق لباس، بیماری کا علاج جس میں مہنگے سے مہنگے آپریشن تک شامل ہیں،سب بلا کسی فیس کے کیے جاتے ہیں۔دینی مدارس میں پڑھنے اور پلنے کی تمام سہولتیں میسر ہیں۔یہی وجہ کہ اگر کسی طالبعلم نے کوئی مدرسہ چھوڑا تو اس کی کوئی اور وجہ تو ہو سکتی ہے مگر کوئی یہ کہہ کر مدرسہ نہیں چھوڑتا کہ مجھے مدرسہ میں یہ سہولیات میسر نہیں تھیں۔اور یہ تمام کی تمام سہولیات دردِ دل رکھنے والے مخیر" مسلمانوں کے عطیات، زکوٰۃ، صدقات،عشر اور قربانی کی کھالوں سے پوری کی جاتی ہیں۔

بات طویل ہوتی جا رہی ہے،مختصر یہ کہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ وصدقہ فطرا کٹھا کرنے کے نام پر عالمی لمیٹڈ کمپنیاں اپنے نئے نئے جال پھیلا کر مسلمانوں سے چندہ اکٹھا کریں گی۔یاد رکھیں مسئلہ کی رُو سے ایسے شخص یا ادارے کو زکوٰۃ وصدقات کا امین نہیں بنایا جا سکتا جو کہ دین اسلام کے فرائض و واجبات کا پوری طریقہ سے ادا کرنے والا نہ ہو۔جہاں تک میری تحقیق ہے کہ ان عالمی لمٹیڈ کمپنیوں میں ننانوے فیصد لوگ ایسے ہیں جو کہ اسلام کے فرائض و واجبات پر عمل تو کیا ایمان تک نہیں رکھتے، بلکہ ان کا سرعام مذاق اُڑاتے ہیں۔خدا کے لئے اپنی زکوٰۃ وصدقات ایسے اداروں کو دے کر ضائع نہ کریں۔

میں دردِ دل رکھنے والے مخیر" مسلمانوں سے صرف اتنی درخواست کرونگا کہ موجودہ زمانے میں امداد کے سب سے زیادہ مستحق دینی مدارس ہی ہیں،اس لئے دل کھول کر زکوٰۃ وصدقات سے دینی مدارس ہی کی مدد فرمائیں۔

مجالس

سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا

شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

بروز اتوار ۱۸ر محرم ۶۸ء ۲۱ر نومبر ۴۸ء ندوۃ العلوم لکھنؤ

آج صبح کی نماز کے بعد صوفیاء کے سلسلوں اور نسبتوں وغیرہ پر اچھی طرح گفتگو فرمائی حضرت اقدس نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے اس کی طبیعت کے متعلق تعلق ہے۔ اور جس کسی اعلیٰ پایہ بزرگ کے تعلق کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے نسبت کہتے ہیں اور ویسی طبیعت کے اور لوگ جو خدا سے تعلق جوڑتے ہیں ان کے تعلق کا رنگ جس بزرگ سے ملتا ہوا س بزرگ کی نسبت کہلانے لگتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جیسی کسی بزرگ کی نسبت ہے۔ اس کے ذریعہ سے خدا کے ساتھ رشتہ جوڑنے والوں میں بھی ویسی نسبت کا رنگ جھلکتا رہتا ہے۔

جس کی طبیعت اس بزرگ کے جتنا قریب ہوگی وہ رنگ اتنا زیادہ مشابہ ہوگا اور جتنی دوری اتنا کم مشابہ اور بزرگ اور اس شخص کی باہمی محبت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے اور اس میں باریک متعدد قاعدے ہیں چشتیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے غیر مسلموں میں تبلیغ کے کام کا بھی ذکر چلا۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ نے عرض کیا کہ ہندوستان میں چشتیہ بزرگوں نے زیادہ کام کیا ہے اور مولانا نے عرض کیا کہ نقشبندیہ بزرگوں کا بھی کم نہیں مگر چشتیہ بزرگوں کو دور اول میں جب مسلمان حکام بھی نہ آئے تھے کام کرنے کا موقع ملا اور تاجروں کو بھی اشاعت اسلام کا موقع ملا اور نقشبندیہ کو بہت بعد میں کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے صرف چار سال کام کیا لیکن ان کے کام کا بہت زیادہ اثر ہوا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ چشتیہ بزرگوں کا کام ہندوستان کے غیر مسلموں میں واقعی زیادہ

ہے۔وہ اسلام کی طرف کھینچنے والے ہیں اور نقشبندیہ بزرگ تصوف ہند کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ہم نے حضرتؒ سے سنا ہے کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ نہ ہوتے تو تصوف زندقہ بن کر رہ گیا ہوتا حضرت اقدس کا یہ وقت سیر کا تھا۔

اس پر جب مجلس کے خاص حضرات کو شبہ ہوا تو حضرت والاؒ سے عرض کیا تو حضرت والاؒ سیر کیلئے تشریف لے گئے۔واپسی پر دور حاضرہ کے سیاسی حالات بدلنے پر مذہبی تبلیغ واشاعت کی صورت کے بدلنے کی ضرورت پر کافی باتیں ہوئیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے عرض کیا کہ حضرت اپنے لوگوں کو آپ کام بانٹ دیں اور سکیم بنا کر اسکو چلانے کے تجربوں کیلئے قطب بنا بنا کر متعدد مقامات پر بھیج دیں۔اس پر حضرت اقدس نے کچھ خاموشی سی برتی۔میں نے عرض کیا کہ نا اہل لوگ چلے گئے تو ان کے کام سے اسلام کو نقصان نہ پہنچے۔

مولانا نے اس کا رد کیا کہ 50 فیصد بھی اچھا کام کر گئے تو اچھا ہے اور نقصان بھی جو ہوگا تو ہوا ہی کرتا ہے۔حضرت اقدسؒ نے اس کی تائید فرمائی۔میں نے عرض کیا کہ جہاں تک غور کیا ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات کا الحمدللہ باری تعالیٰ کی طرف سے چانس ملا ہے مگر ایک کام بھی ایسا خیال رکھنے سے بھی یاد نہیں پڑتا کہ جس میں نیت کے فتور نے اپنے اپنی شاخ ساتھ نہ لگادی ہو،اس پر حضرت اقدسؒ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا علی میاں صاحبان متفقہ طور پر یہ سن کر ہنسے اور حضرت والاؒ نے فرمایا کہ یہی کمال ہے (یا اللہ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے کوئی شر جو پیدا ہو سکتا ہے،اس سے محفوظ فرما)

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے فرمایا کہ اس کا کوئی حرج نہیں اور فرمایا اس میں کیا کہتے

ہو۔میں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر غفلت سے کام کیے جاتے ہیں اس پر بھی سب حضرات مسکرائے اور ایسی ہی باتیں ہوتی رہیں۔

میرے سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ بات بڑی اہم ہے جو بات میں کر رہا تھا کہ پاکستان میں تو حضرت اقدسؒ نے بھائیوں کو اور عزیزوں کو لکھ بھیجا ہے میں نے معلوم کیا تو فرمایا کہ مولانا مولوی عبدالعزیز گمتھلویؒ ،مولانا محمد صاحب رائے کوٹ والے، ماسٹر منظور محمد صاحب، مولانا مولوی عبدالجلیل صاحب، مولانا عبدالوحید صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور دوسرے مولانا عبدالرحمٰن صاحب درزی لدھیانوی فیصل آباد، مولانا محمد ابراہیم جگراؤں والے، مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری گوجرانوالے، پیر جی عبداللطیف، حکیم محمد صدیق صاحب امروہی ساکن بانس بریلی وغیرہ۔فرمایا کہ مولوی عبدالمنان کو چاہیے کہ ان کے خطوط کی نقلیں ضرور رکھیں۔مگر افسوس نیز فرمایا کہ ان خطوط میں جس میں جو نقص محسوس ہوا اس کا خیال رکھنے کو بھی ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔مولوی انیس الرحمٰن صاحبؒ سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد صاحب کو جو خط اس مد میں لکھا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ میں غصہ بہت ہے اس کا بھی خیال رکھیں، ایسے ہی دس بارہ خطوط پاکستان میں لکھے ہیں۔

حضرت اقدسؒ کی سیر کی گفتگو میں فرمایا کہ ویسے آسان بھی بہت ہے، وہ یہ کہ انسان اپنے اوراد و وظائف پورا کرتا رہے اور تہمت کے مواقع سے بچتا رہے اور بس۔سلوک یہ مختصر ترین ہے مگر جامع اور سامنے رکھنے کو آسان باقی مجاہدہ اس میں پورا ہے۔میں نے اس بات کی رات کو پھر تشریح کرائی حضرت والاؒ نے فرمایا کہ غفلت دور کرنے کیلئے ذکر اور نیت،غفلت دور ہونے سے خود ہی درست ہوتی رہتی ہے۔گناہوں سے بچنے کیلئے تہمت کے مواقع سے بچنا ایسا مجاہدہ ہے کہ اسے تقویٰ کہہ سکتے ہیں باقی اور سلوک میں کیا ہے۔(تصوف سوا فہم کے اور کچھ نہیں یہ بڑے حضرتؒ کا قول ہے اور فہم گویا اس تمام نیکیوں کا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے)

گوشۂ نفیس

مجلس حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ

مولانا نور محمد صاحبؒ کا تذکرہ:

کسی طرح درمیان میں مولانا نور محمدؒ صاحب ممتحن مدارس، مصنف نورانی قاعدہ کا تذکرہ آیا تو مَیں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کس کے مجاز ہیں؟ فرمایا مولانا عبدالرحیم سہارنپوریؒ کے مجاز ہیں لیکن اُن کی وفات کے بعد پھر پورا تعلق حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ سے رہا ہے۔

حکیم باؤلے اور عبدالکریم کشفی کا ذکر:

مَیں نے عرض کیا کہ سہارنپور میں حکیم باؤلے ہوتے تھے وہ کس کے مجاز تھے؟ فرمایا ان کا نام حکیم سید امیر الحسن تھا۔ وہ مولانا عبدالکریم صاحب کے مرید و مجاز تھے۔ مولانا عبدالکریم کا تخت ہزارہ ضلع سرگودھا میں لبِ دریا مزار ہے۔ یہ پیدائشی کشفی تھے۔ اِدھر سے سہارنپور جا نکلے، وہاں مولانا عبدالرحیم سہارنپوریؒ سے بیعت ہو کر مجاز ہوئے۔ مولانا سہارنپوریؒ کی وفات کے بعد انہوں نے بھی اپنا تعلق (بڑے) حضرت رائے پوریؒ سے قائم رکھا تھا۔

فرمایا: حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ میں جو تعلق تھا اس کا کسی کو پتہ ہی نہیں اس کا کچھ اندازہ حضرت شیخ الہندؒ کے مرثیہ سے ہوسکتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کا تذکرہ:

اسی اَثناء میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے پوتے بھائی سعود صاحب آگئے، ان کے حوالہ سے شعر و شاعری کا قصہ چل نکلا۔ فرمایا: سعود صاحب بھی شاعر ہیں ان کے والد محمد زکی کیفیؒ بھی شاعر تھے۔ ان کے دادا حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی شاعر تھے اور ان کے پردادا مولانا محمد یٰسین صاحب بھی شاعر تھے۔ اُنہوں نے فارسی میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کا مرثیہ لکھا تھا، وہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کاتب بھی تھے اور کتابت میں ان

کے استاذ مولانا محبوب علی صاحبؒ تھے۔

مولانا محبوب علی صاحبؒ: مولانا محبوب علی صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے مرید تھے۔تذکرۃ الرشید کے پہلے ایڈیشن کی کتابت انہی کے ہاتھوں کی ہے۔''القاسم'' کی کتابت بھی یہی کرتے تھے۔مولانا محبوب علی صاحبؒ کے استاذ الکتابت مولانا ممتاز علی صاحب تھے۔یہ حضرت امداداللہ صاحب مکیؒ کے مرید اور مطبع مجتبائی دہلی کے مالک تھے۔یہی حضرت نانوتویؒ کو اپنے مطبع میں تصحیح کیلئے لے گئے تھے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کو حکم:

حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس جب پیر مہر علی شاہ صاحب (گولڑویؒ) حجاز پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ آپ ہند جائیں وہاں ایک فتنہ رونما ہونے والا ہے۔اس فتنہ سے مراد فتنۂ قادیانیت ہی تھا۔

اسی اثناء میں آپ نے اپنا کلام پیش فرمایا جس کا عنوان تھا''حمد باری'' یہ بہت ہی عمدہ کلام تھا۔فرمایا اس کے پہلے دو شعر حمد ہیں دوسرے دو شعر نعت ہیں باقی چار شعروں میں اپنی معروض ہے۔فرمایا: یہ ایک سال پہلے کا ہے اور ابھی کہیں طبع نہیں ہوا۔مَیں نے عرض کیا کہ حضرت ہم اس دفعہ کے شمارہ میں لگائیں گے۔محرم میں یہ آئے گا اس میں محرم کی مناسبت بھی ہے کیونکہ اس میں یہ شعر

صبرِ جانکاہ میرے دل میں ہے　　شکرِ باری مری زبان پر ہے

محرم کے مناسب ہے۔فرمایا کہ ہاں بات ٹھیک ہے۔دورانِ گفتگو مَیں نے عرض کیا کہ پروفیسر اسلم صاحب آتے ہیں؟ فرمایا نہ آنے کے برابر،فرمایا: کہ جن لوگوں نے شہداء اور صوفیاء کی مخالفت کی راہ اختیار کی ان کا انجام اچھا نہیں ہوا چنانچہ یہاں پروفیسر صاحب ہم سے گئے۔

مولانا ابوالحسن زید کا تذکرہ:

دہلی میں ایک عالم تھے مولانا ابوالحسن زید انہوں نے پڑھا علماء دیوبند سے تھا اُن سے متاثر بھی تھے لیکن اہل بدعت کے بہکاوے سے خیالات بدل گئے۔پہلے انہوں نے حضرت سید صاحب اور شاہ اسماعیل صاحب رحمہما اللہ کی تحریک کے حق میں لکھا لیکن بعد میں جب اہل بدعت کے جال میں آئے تو حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان کے خلاف لکھ دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کے چھپتے ہی جوان بیٹا فوت ہو گیا۔فرمایا: کہ اب نظر یہ آتا ہے کہ علم ختم ہو رہا ہے اور اہل حق اُٹھتے جار ہے ہیں۔حالات میں بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

رمضان کیوں آیا ہے؟

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب

اسلام سے باہر نظر دوڑا کر دیکھئے تو محسوس ہوگا کہ دنیا بھر کے فکری نظام کلیتاً انسان کے دماغ کو مخاطب کرتے ہیں اور مذہب وتصوف خالصۃً اس کے دل کو، ان دونوں میں سے ہر ایک کی الگ الگ بادشاہت ہے جس پر وہ بلاشرکت غیرے حکمرانی کرتے ہیں اور یہ دو بادشاہ نہ صرف یہ کہ ایک ''اقلیم'' میں نہیں سماتے بلکہ بسا اوقات ایک دوسرے سے برسرپیکار نظر آتے ہیں، لیکن اسلام بیک وقت انسان کے دل اور دماغ دونوں سے اس طرح خطاب کرتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی رسہ کشی پیدا نہیں ہوتی جو انہیں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کردے، اس کے بجائے ابتداء یہ دونوں اپنی اپنی حدود متعین کرکے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور بالآخر ایک دوسرے میں گھل مل کر اس طرح شیر وشکر ہوجاتے ہیں جیسے دو دریاؤں کا سنگھم ایک حد پر جاکر دونوں کو یک جان کردیتا ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں دل کو ''عشق ومحبت'' کے ساتھ سوچنا سمجھنا بھی آجاتا ہے اور دماغ میں ''سوچنے سمجھنے'' کے ساتھ عشق ومحبت کی صلاحیت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔

اس لطیف حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس کی لطافت بیان سے زیادہ ادراک میں ہے اگر انسان قرآن کریم کی ان آیات پر غور کرے جن میں سوچنے سمجھنے کو دماغ کے بجائے قلوب کی صفت قرار دیا گیا ہے تو اس کلام الٰہی کے اعجاز کے آگے فصاحت وبلاغت کی پوری کائنات سجدہ ریز نظر آتی ہے۔ اللہ اکبر

مختصر یہ کہ اسلام کی تعلیمات عقل اور عشق کا ایک ایسا حسین آمیزہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک عنصر کو بھی ختم کردیا جائے تو اس کا سارا حسن ختم ہوجاتا ہے، اگر عقائد وعبادات کا نظام عقل سے بالکلیہ آزاد ہوجائے تو کوئی توہم پرست یا دیومالائی مذہب وجود میں آجاتا ہے اور اگر عقل کو وحی پر مبنی

عقائد و عبادات سے آزاد کردیا جائے تو وہ کسی ایسے خشک سیکولر نظریے کو جنم دیکر رک جاتی ہے جو مادے کے اس پار دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے، نتیجہ دونوں صورتوں میں محرومی ہے، کہیں جسم کے جائز تقاضوں سے کہیں روح کے حقیقی مطالبات سے۔

جب سے سیکولرزم کے مقابلے کی ضرورت کے تحت اسلام کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی تعلیمات پر ہمارے عہد کے مفکرین اور اہل قلم نے زیادہ زور دینا شروع کیا ہے، اس وقت سے بعض حضرات نے شعوری یا غیر شعوری طور پر عقائد و عبادات کو پس منظر میں ڈال کر انہیں ثانوی حیثیت دیدی ہے اور انہیں وہ اہمیت دینا چھوڑ دیا ہے جو فی الواقعہ انہیں حاصل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان ایک ''معاشی جانور'' (Economic Animal) ہوکر رہ گیا ہے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ اس جسم کو پالنے پوسنے کی حد تک محدود ہے جو ایک نہ ایک دن مٹی میں مل جانے والا ہے، اسے روحانی ترقی کے ان مدارج کی کوئی فکر نہیں جو درحقیقت انسان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتے ہیں اور جن کی بدولت وہ مٹی میں ملنے کے باوجود بھی زندہ جاوید رہتا ہے۔

جو لوگ مادی منافع اور نفسانی لذتوں ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں، ذرا ان کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھئے، وہ راحت و آرام کے سارے اسباب و وسائل اپنے پاس رکھنے کے باوجود ''سکون قلب'' کی دولت سے کتنے محروم ہیں؟ اس لیے کہ انہوں نے اپنے گرد و پیش میں جو دنیا بنائی ہے، وہ چاہے دنیا کے سارے خزانے لاکر ان کے قدموں پر ڈھیر کرسکتی ہو، لیکن قلب کو سکون اور روح کو قرار بخشنا، اس کے بس کی بات نہیں، یہ خدا ناآشنا زندگی کا لازمی خاصہ ہے کہ اس کے شیدائی ایک انجانی سی بے قراری کا شکار رہتے ہیں، اس بے قراری کا ایک کرب انگیز پہلو یہ ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بے قرار کیوں ہیں؟ وہ ہمہ وقت اپنے دل میں ایک نامعلوم اضطراب اور پراسرار کسک محسوس کرتے ہیں لیکن یہ اضطراب کیوں ہے؟ کس لیے ہے؟ وہ نہیں جانتے۔

انسان اس کائنات کا خالق و مالک نہیں، وہ کسی کی مخلوق ہے، اس کا مقصد زندگی ہی یہ ہے کہ

وہ کسی کی بندگی کرے، اس لیے اس کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ وہ کسی لافانی ہستی کے آگے سرنگوں ہو، اس کی عظمتوں پر اپنے عجز و نیاز کی پونجی نچھاور کرے، مصائب میں اس کے نام کا سہارا لے، اسے مدد کے لیے پکارے اور زندگی کے مشکل ترین لمحات میں اس کی توفیق سے رہنمائی حاصل کرے، آج کی مادہ پرست زندگی اسے خواہ دنیا کی ساری نعمتیں عطا کرسکتی ہو لیکن اس کی اس فطری خواہش کی تسکین نہیں کرسکتی، انسان کی یہ فطرت بعض اوقات نفسانی خواہشات کے انبار میں دب تو جاتی ہے لیکن مٹتی نہیں اور یہی وہ چھپی ہوئی فطری خواہش ہے جو اسے کیف ونشاط کے سارے وسائل مل جانے کے باوجود آرام نہیں لینے دیتی اور بعض اوقات اس کی زندگی کو اجیرن بنا کر چھوڑتی ہے۔

یوں زندگی گذار رہا ہوں ترے بغیر جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

اسلام کی تعلیمات میں ''عبادات'' کا شعبہ اسی مقصد کے لیے رکھا گیا ہے کہ اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کرلیا جائے تو عبادات کے یہ طریقے انسان کی روح کو حقیقی غذا فراہم کرکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رشتے کو مضبوط اور مستحکم بناتے ہیں اور جسم وروح کے تقاضوں میں توازن پیدا کرکے انسان کو ایک ایسے نقطہ اعتدال تک پہنچاتے ہیں جو درحقیقت سکون واطمینان کا دوسرا نام ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''یادرکھو! اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔'' (سورۂ رعد)

رمضان کا مقدس مہینہ ہر سال اس لیے آتا ہے کہ سال کے گیارہ مہینے انسان اپنی مادی مصروفیات میں اتنا منہمک رہتا ہے کہ وہی مصروفیات اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں اور اس کے دل پر روحانی اعمال سے غفلت کے پردے پڑنے لگتے ہیں، عام دنوں کا حال یہ ہے کہ چوبیس گھنٹے کی مصروفیات میں خالص عبادتوں کا حصہ عموماً بہت کم ہوتا ہے اور اس طرح انسان اپنے روحانی سفر میں جسمانی سفر کی بہ نسبت پیچھے رہ جاتا ہے، رمضان کا مہینہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس مبارک مہینے میں وہ جسمانی غذا کی مقدار کم کرکے روحانی غذا میں اضافہ کردے اور اپنے جسمانی سفر کی رفتار ذرا دھیمی کرکے روحانی سفر کی رفتار بڑھادے اور ایک مرتبہ پھر دونوں کا توازن درست کرکے اس نقطہ اعتدال پر آجائے

جواس زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اگر ذرا غور سے دیکھیں تو اسی نقطہ اعتدال پر پہنچنے کی مسرت ہے جس کا جشن ''عید الفطر'' کی صورت میں مقرر کیا گیا ہے۔

لہٰذا رمضان المبارک صرف روزے اور تراویح ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس مہینے میں نفلی عبادات کی طرف بھی خصوصی توجہ دے اور کسی کی حق تلفی کیے بغیر اگر اپنے اوقات کو مادی مصروفیات سے فارغ کر سکتا ہے تو انہیں فارغ کر کے زیادہ سے زیادہ نوافل، تلاوت اور ذکر و تسبیح میں صرف کرے۔

''کسی کی حق تلفی کیے بغیر'' میں نے اس لیے کہا کہ اگر کوئی شخص کہیں ملازم ہے تو ڈیوٹی کے اوقات میں اپنے فرائض منصبی چھوڑ کر نفلی عبادات میں مشغول ہونا شرعاً جائز نہیں البتہ اگر اس کے پاس اپنے فرائض منصبی سے متعلق کوئی کام نہیں ہے اور وہ خالی بیٹھا ہوا ہے تو بات دوسری ہے۔

لیکن کسی کی حق تلفی کیے بغیر بھی رمضان میں اپنی مادی مصروفیات ہر شخص کچھ نہ کچھ ضرور کم کر سکتا ہے اور اپنے آپ کو ایسے مشاغل سے فارغ کر سکتا ہے جو یا تو غیر ضروری ہیں یا انہیں مؤخر کیا جا سکتا ہے، اس طرح جو وقت ملے اسے نفلی عبادتوں، ذکر اور دعا میں صرف کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو بات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ رمضان کے دن میں انسان جب روزے کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے تقاضے سے وہ چیزیں ترک کر دیتا ہے جو عام حالات میں اس کے لیے حلال تھیں،

اب یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہوگی کہ انسان روزے کے تقاضے سے حلال کام تو ترک کردے لیکن وہ کام بدستور کرتا رہے جو عام حالات میں بھی حرام ہیں، لہٰذا اگر کھانا پینا چھوڑ دیا مگر جھوٹ تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا روزہ انسان کی روحانی ترقی میں کتنا مددگار ہو سکتا ہے؟

لہٰذا رمضان المبارک میں سب سے زیادہ اہتمام اس بات کا ہونا چاہیے کہ آنکھ، زبان، کان اور جسم کے تمام اعضاء ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رہیں، اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ

کوئی قدم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ اٹھے۔ رمضان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ’’ایک دوسرے کی غمخواری کا مہینہ‘‘ قرار دیا ہے اس مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ وخیرات بھی بہت کثرت سے کیا کرتے تھے، اس لیے رمضان میں ہمیں بھی صدقہ وخیرات، دوسروں کی ہمدردی اور ایک دوسرے کی معاونت کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

یہ صلح وصفائی کا مہینہ ہے، لہٰذا اس میں جھگڑوں سے اجتناب کا بھی خاص حکم دیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے لڑائی کرنا چاہے تو اس سے کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رمضان صرف سحری اور افطاری کا نام نہیں بلکہ یہ ایک تربیتی کورس ہے جس سے ہر سال مسلمانوں کو گذارا جاتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اپنے خالق ومالک کے ساتھ مضبوط ہو، اسے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کی عادت پڑے، وہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اپنے اخلاق رذیلہ کو کچلے اور اعلیٰ اوصاف واخلاق اپنے اندر پیدا کرے، اس کے اندر نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے پرہیز کا جذبہ بیدار ہو،

اس کے دل میں خوف خدا اور فکر آخرت کی شمع روشن ہو جو اسے رات کی تاریکی اور جنگل کے ویرانے میں بھی غلط کاریوں سے محفوظ رکھ سکے، اسی کا نام تقوی ہے اور قرآن کریم نے اسی کو روزوں کا اصل مقصد قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقوی پیدا ہو۔‘‘

جو شخص ’’تقوی‘‘ کے اس تربیتی کورس سے ٹھیک ٹھیک گذر جائے، اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری عطا فرمائی ہے کہ جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر جائے اس کا پورا سال سلامتی سے گذرے گا۔‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان ہمیں سال بھر کی سلامتی سے ہمکنار کرنے کے لیے آیا ہے بشرطیکہ ہم سلامتی چاہتے ہوں اور یہ سلامتی حاصل کرنے کے لیے اس ماہ مقدس کا استقبال اور اکرام واعزاز کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

نماز تراویح

رمضان المبارک کی امتیازی عبادت

رمضان المبارک کی امتیازی عبادت ''نماز تراویح'' ہے، جو اپنی الگ شان رکھتی ہے۔ اس نماز کے ذریعہ رمضان المبارک میں مسجدوں کی رونق بڑھ جاتی ہے، اور عبادات کے شوق میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔ صحیح احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک میں تین دن مسجد نبوی میں باجماعت نماز پڑھائی لیکن جب مجمع زیادہ بڑھنے لگا اور صحابہ کرامؓ کے غیر معمولی ذوق وشوق کو دیکھ کر آپ ﷺ کو خطرا ہوا کہ کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ کر دی جائے تو آپ ﷺ نے یہ سلسلہ موقوف فرما دیا۔ (بخاری شریف ا۔۲۶۹)

لیکن ساتھ میں آپ ﷺ رمضان المبارک کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادات انجام دینے کی ترغیب دیتے رہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص رمضان المبارک کی راتوں کو ایمان اور اخلاص کے ساتھ عبادت میں گذارے گا اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے''۔ (بخاری شریف ا۔ ۲۶۹) آپ ﷺ کی اس ترغیب کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ رمضان المبارک میں کثرتِ عبادت کا اہتمام کرتے تھے۔ جو لوگ قرآن کریم کے حافظ تھے وہ خود نوافل میں قرآن پڑھتے اور جو حافظ نہ تھے وہ کسی حافظ کی اقتداء میں قرآن کریم سننے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ ثعلبہ ابن ابی مالک القرظیؒ (جو مدینہ منورہ کے رہنے والے تابعی عالم ہیں) مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کی رات میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں کچھ لوگ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو کسی نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ وہ حضرات ہیں جن کو قرآن کریم حفظ نہیں ہے،

تو حضرت ابی بن کعبؓ نماز میں قرآن کریم پڑھ رہے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں، یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے بہت اچھا کیا اور آپ ﷺ نے ان

کے بارے میں کوئی ناگواری کی بات ارشاد نہیں فرمائی۔(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲،۶۹۷)

اس تفصیل سے اتنا معلوم ہو گیا کہ دورِ نبوت میں رمضان کی وہ خصوصی نماز جسے بعد میں "تراویح" کا نام دیا گیا، یقیناً پڑھی جاتی رہیں، اور حضرات صحابہؓ اس نماز سے بخوبی واقف تھے، اور تنہا تنہا اور کبھی جماعت سے اسے پڑھا کرتے تھے۔

پھر دورِ صدیقیؓ اور دورِ فاروقی کے ابتدائی زمانہ تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہا، اس کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے یہ دیکھ کر کہ لوگ مسجد میں تنہا یا چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر نماز تراویح پڑھتے ہیں، آپ نے مناسب سمجھا کہ تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم کردی جائے (کیوں کہ جس خطرۂ وجوب کی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے جماعت تراویح کا سلسلہ موقوف فرمادیا تھا اب آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ خطرہ باقی نہ رہا تھا) چنانچہ آپؓ صحابہؓ کے سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر فرمایا، اور صحابہؓ حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کرنے لگے۔(دیکھئے بخاری شریف ۱۔۲۶۹) اب بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ نے ۱۱، رکعت پڑھائیں (۸ رکعات تراویح اور ۳، وتر) (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۔۶۹۸) لیکن اکثر روایات اور آثارِ صحابہؓ سے بیس رکعت تراویح کا پتہ چلتا ہے، چند روایات درج ذیل ہیں:

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں ۲۰ رکعات تراویح لوگوں کو پڑھاتے تھے اس کے بعد ۳ رکعت وتر کی پڑھایا کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ۲۔۱۶۵)

سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں کہ دورِ فاروقیؓ میں حضراتِ صحابہؓ رمضان المبارک میں ۲۰ رکعت باجماعت پڑھا کرتے تھے، نیز یہ بھی فرمایا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں لوگ سو سے اوپر آیتوں والی سورتیں تراویح میں پڑھتے تھے اور لمبے قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۔۶۹۹)

یزید بن رومانؒ فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان المبارک میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں تیئس رکعت نماز تراویح پڑھتے تھے۔(۲۰ رکعت تراویح اور ۳ وتر) (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۔۶۹۹)

ابوالخصیب ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہ ؒ ہمیں رمضان میں ۵ ترویحوں سے بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۔۶۹۹)

ابوعبدالرحمٰن السلمی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے قرا حضرات کو بلایا پھر ان میں سے ایک صاحب کو منتخب کر کے حکم دیا کہ ہو لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کریں، اور اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان لوگوں کو وتر کی نماز پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ۲۔۶۹۹)

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کی ایک روایت (جس کے ایک راوی پر کچھ کلام کیا گیا ہے) سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رمضان المبارک میں ۲۰ رکعت الگ سے پڑھنے کا معمول تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۔۱۶۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۔۶۹۸)

انہیں روایات و آثار کی وجہ سے جمہور علماء امت اور حضرات ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ ؒ، امام مالک، امام شافعی ؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ) کا متفقہ موقف یہ ہے کہ تراویح کی رکعات ۲۰ سے کم نہیں ہیں، ۲۰ سے زیادہ کے تو اقوال ملتے ہیں (جیسا کہ امام مالک ؒ کا قول ہے) لیکن ۲۰ کے عدد سے کم کا ائمہ اربعہ میں سے کوئی قائل نہیں ہے۔ اور تمام عالم میں شرقاً و غرباً صدیوں سے امت کا عمل یہی چلا آرہا ہے، حتیٰ کہ حرمین شریفین میں آج تک ۲۰ رکعات ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے تراویح ۲۰ رکعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، اور اس میں کسی مسلمان کو کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تراویح کی رکعات کے بارے میں علماء کے ایک طبقہ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ کی ایک روایت سے اشتباہ ہوگیا ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے رمضان اور غیر رمضان کی نوافل کو ۸ کے عدد میں منحصر کیا ہے۔ (بخاری شریف ۱۔۱۵۴) اس روایت سے بہت سے لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ تراویح کی رکعات بھی صرف ۸ ہیں اس سے زیادہ نہیں، حالانکہ اس روایت کا تعلق تراویح سے نہیں بلکہ تہجد سے ہے۔ اور تراویح کی رکعات پر اس روایت سے استدلال بالکل غیر معقول ہے، کیونکہ (۱) حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا ''غیر رمضان'' کو شامل کر کے جواب دینا یہ بتا رہا ہے کہ سوال ایسی نماز سے متعلق ہے جو غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے اور ایسی نماز تہجد تو ہوسکتی ہے تراویح نہیں ہوسکتی، کیونکہ اسے غیر رمضان میں پڑھنے کا کوئی قائل نہیں۔ (۲) خود حضرت عائشہ ؓ کی روایت تہجد کی ۸ رکعت سے کم و بیش کے بارے میں بھی وارد ہے۔ (بخاری شریف

ا۔۱۵۳) تو چونکہ رکعتوں کی تعین کے متعلق روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے، لہٰذا استدلال تام نہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ اسی روایت میں ایک سلام سے تین رکعت وتر پڑھنے کا ذکر ہے اور جو طبقہ تراویح کی ۸ رکعات کا قائل ہے وہ اس روایت کے برخلاف ایک سلام سے وتر کی تین رکعات کا منکر ہے۔ اسلئے جب وتر میں یہ روایت انکے نزدیک حجت نہیں تو تراویح کی رکعات میں کیسے حجت مانی جاسکتی ہے؟

نمازِ تراویح کے متعلق حدیث شریف میں بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں جن کا احصاء وشمار بہت دشوار ہے۔ سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی غرض سے روزہ رکھے اور اسی طرح ایمان کے ساتھ ثواب کی غرض سے تراویح پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ خدا کے بندو اور کیا چاہتے ہو، کیا مغفرت سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے؟ مگر افسوس ہے کہ ہمیں اس کی قدر نہیں رہی اور اس عظیم الشان سنت کے ادا کرنے میں اس قدر بدعملیاں کی جاتی ہیں کہ کچھ ٹھکانہ نہیں۔

مسئلہ: نمازِ تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور تراویح میں ایک مرتبہ پورا قرآن پاک پڑھنا یا سننا بھی سنت مؤکدہ ہے۔ یہ دونوں عمل علیحدہ علیحدہ دو سنتیں ہیں۔ اس لیے جو لوگ سورتوں کے ساتھ نمازِ تراویح ادا کرتے ہیں اور پورا قرآن مجید تراویح میں پڑھتے یا سنتے نہیں، وہ تراویح کی سنت تو ادا کرتے ہیں لیکن تراویح میں پورا قرآن مجید پڑھنے یا سننے کی سنت ان کے ذمہ باقی رہتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ چند راتوں میں قرآن مجید سن کر تراویح چھوڑ دیتے ہیں ان کے ذمہ تراویح کی سنت باقی رہتی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ختم ہو جانے کے بعد اکثر لوگ تراویح کے ادا کرنے میں جو سستی کرنے لگتے ہیں یہ بھی ان کی غلطی ہے۔ ختم قرآن مجید کے بعد بھی رمضان المبارک کی تمام راتوں میں عید الفطر کے چاند دیکھنے تک تراویح کا پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: عورتیں اس سنت تراویح سے بہت محروم رہتی ہیں، حالانکہ عورتوں کیلئے بھی مردوں کی طرح ہی تراویح کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ (اجماعادرص ۲۵۹ ج ۱)

ف: اکثر مساجد کے اندر تراویح کے ادا کرنے کی جلدی میں عشاء کی نماز یا عشاء کی اذان اس کے وقت سے پہلے ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں یا تو اذانِ عشاء اپنے وقت سے پہلے ہو جاتی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ وقت کے ہو جانے کے بعد اس کو دوبارہ کہنا چاہیے ورنہ اس صورت میں جماعت بغیر اذان سمجھی

جائے گی جو کہ خلافِ سنت ہے اور اگر عشاء کی نماز ہی وقت عشاء سے پہلے ہوگئی تو یہ بہت ہی سخت بات ہے کیونکہ وقت سے پہلے جو نماز بھی پڑھی جائے گی اس سے فرض ادا نہ ہوگا، بلکہ اس کا دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عشاء کے وقت کا لحاظ کر کے اذان اور عشاء کی جماعت پڑھی جائے۔ اس کیلئے عام موسموں میں تخمینہ گھڑی سے یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے سے پہلے عام موسموں میں عشاء کی اذان نہ دی جائے۔ امام صاحبؒ کے مذہب پر غروبِ آفتاب کے بعد جب غروب کی جگہ سے سرخی زائل ہو کر سفیدی بھی زائل ہو جاتی ہے اس وقت عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اور اس کا اندازہ گھڑی سے اکثر موسموں میں اسی قدر ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔ لیکن اگر غروبِ شمس سے پونے دو گھنٹہ کے بعد عشاء کی اذان و نماز پڑھی جائے تو کبھی غلطی نہ ہوگی۔ کیونکہ غروب آفتاب سے سفیدی زائل ہونے کا فرق کم سے کم بماہ فروری و مارچ و دسمبر و اکتوبر ایک گھنٹہ ۲۰ منٹ اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون شروع جولائی ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ تک ہوتا ہے۔ (ابوداؤد: ص ۴۲۹ ج ۲)

مسئلہ: تراویح کے اندر قرأت میں نہ اس قدر جلدی کرنی چاہیے کہ حروف ہی سمجھ میں نہ آئیں اور نہ اس قدر ٹھہرا کر قرآن پڑھا جائے کہ فرض نماز اور تراویح کی قرأت میں فرق ہی نہ رہے بلکہ درمیانہ اور معتدل طریقہ پر قرأۃ کی جانی چاہیے تاکہ مقتدی تنگی میں نہ پڑیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ خوشخبری دو اور نفرت مت دلاؤ اور آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو۔

ف: بعض حفاظ کی عادت ہے کہ پہلی رکعات میں قرأت بہت زیادہ پڑھ دیتے ہیں جس سے لوگ تنگی میں پڑتے اور تھک جاتے ہیں۔ پھر پچھلی رکعتوں میں بہت تھوڑا تھوڑا پڑھتے ہیں۔ اوپر کی حدیث سے اس طریقہ کی غلطی بھی واضح ہوگئی۔ تراویح کی رکعات میں تسویہ (برابری) اور اعتدال رکھنا افضل ہے۔ اور اگر ہر شفعہ کی پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہو تو بھی جائز ہے۔

مگر اتنا تفاوت کرنا جس سے مقتدی تنگی میں پڑنے لگیں درست نہیں۔

مسئلہ: بعض حفاظ قرآن سنانے پر اُجرت مقرر کر لیتے ہیں، یہ کسی طرح بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔ حضرات فقہاء نے امامت اور تعلیم قرآن پر تو بضرورتِ زمانہ اُجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن قرآن کی تلاوت (پڑھنے) پر اُجرت کو ناجائز فرمایا ہے۔ کیونکہ تراویح میں بھی قرآن شریف ثواب کیلئے ہی پڑھا جاتا ہے۔ تو تراویح میں قرآن شریف پڑھ کر اُجرت لینا تلاوت کر کے اُجرت لینا ہوا جو ناجائز

ہے۔لہٰذا علماءِ متاخرین نے جو تعلیم قرآن وغیرہ بعض ایسی اہم اور ضروری عبادات پر اُجرت کو ضرورتِ زمانہ کی وجہ سے جائز کیا ہے جو کہ دین کے لیے موقوف علیہ ہیں، ان پر قیاس کرکے تراویح میں تلاوتِ قرآن پر اُجرت کے جواز کو ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس زمانے میں جو قبر وغیرہ پر قرآن مجید پڑھ کر اُجرت لینے کا دستور ہے یہ بھی چونکہ اُجرت علی التلاوت اس لیے ناجائز ہے اور اُجرت پر قرآن پڑھنے سے چونکہ پڑھنے والے ہی کو ثواب نہیں ملتا اس لیے اس طرح پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانے سے اس کو کچھ ثواب نہیں پہنچتا۔

مسئلہ: جس جگہ بلا اُجرت قرآن تراویح میں سنانے والا کوئی نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لیا کریں۔

مسئلہ: سامع کیلئے بھی اُجرت سماع قرآن لینا جائز نہیں۔اس مسئلہ میں بعض حضرات اکابر کو یہ شبہ ہوا تھا کہ اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرکے اُجرت کو جائز کہا جائے۔مگر بعد میں خود انہوں نے ہی اس کا فرق یہ بتلایا ہے کہ نماز کے اندر تعلیم قرآن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور سامع کے بتلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ نیز بھولے ہوئے کو بتلانا یہ نماز کی اصلاح ہے اور اصلاحِ نماز عبادت ہے۔معلوم ہوا کہ سامع کا بتلانا تعلیم میں داخل نہیں ہے اس لیے تعلیم پر قیاس کرکے سماعت پر اُجرت کا لینا جائز نہیں ہے۔(وعظ التہذیب ۳ص ۹۷)

مسئلہ: ڈاڑھی منڈانے والے اور اسی طرح جس کی ڈاڑھی کتروانے کی وجہ سے ایک مشت سے کم ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔تراویح میں بھی اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

ف: بہت سے حافظ بھی ڈاڑھی منڈوانے یا کتروانے کے مرض میں مبتلا ہیں،ان کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے۔تراویح میں اور دوسری نمازوں میں ان کو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔اس مسئلہ سے لوگ بہت غافل ہیں اور اپنی نمازوں کو مکروہ تحریمی بنا رہے ہیں۔

مسئلہ: نابالغ کے پیچھے بالغ کی نماز نہیں ہوتی،اس کو تراویح میں بھی امام نہ بنایا جائے،اور لڑکا جب تک چاند کے حساب سے پورا پندرہ سال کا نہ ہو جائے یا کوئی علامت بلوغ کی اس میں نہ پائی جائے اس وقت تک وہ نابالغ کے حکم میں ہی ہے۔

مسئلہ: تراویح کی جتنی دیر میں چار رکعات پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی دیر چار رکعات کے بعد بیٹھنا مستحب

ہے۔تراویح کی بیس رکعات کے بعد وتر سے پہلے بھی بیٹھنا چاہیے،اس میں لوگ غفلت کرتے ہیں اس کو خوب یاد رکھا جائے۔

ہاں اگر نمازیوں کی گرانی اور کمی جماعت کا اندیشہ ہو تو چار رکعات کی مقدار سے کم بھی بیٹھنا جائز ہے۔اس وقفہ میں اختیار ہے چاہے تنہا نوافل پڑھے چاہے دُعا اور درود شریف وغیرہ میں مشغول رہے یا تین مرتبہ تسبیح تراویح پڑھ لے۔

بعض مساجد میں تراویح شروع کرنے سے پہلے تسبیح تراویح پڑھتے ہیں اور بیس رکعات ہونے کے بعد وتروں سے پہلے اس کو نہیں پڑھتے، یہ رواج غلط ہے۔تراویح کی ہر چار رکعات کے بعد تسبیح تراویح کو پڑھنا مستحب ہے۔بیس رکعات کے بعد وتروں سے پہلے بھی اس کو پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: ختم قرآن شریف کے دن ضرورت سے زیادہ روشنی وغیرہ کرنا یہ اسراف میں داخل اور ناجائز ہے،اور تقسیم شیرنی کیلئے جبراً چندہ لینا اور تقسیم کے وقت مسجد میں شور وشغب کرنا اور اس تقسیم کو ضروری اور لازمی سمجھنا اور تقسیم نہ کرنے والوں پر ملامت وطعن کرنا یہ جملہ امور بھی شرعاً ناجائز ہیں۔

شبینہ: بعض جگہ ایک شب میں قرآن ختم کرنے کا رواج ہے،لیکن اس میں ایک خرابی تو یہ ہوتی ہے کہ اکثر نفلوں کی جماعت میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور نفلوں میں تین یا تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔

دوسرے غور کر کے دیکھا جائے تو اس میں اکثر نیت نمود ونمائش اور دکھلاوے کی ہوتی ہے۔حفاظ تو زیادہ تر داد ملنے کے اُمیدوار ہوتے ہیں اور بعض عوض مال کا طمع بھی رکھتے ہیں۔رہے سامعین تو اکثر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کوئی لیٹا ہے،کوئی بیٹھا ہے،کوئی گفتگو میں مصروف ہے۔اس بے توجہی اور بے پرواہی کے ساتھ قرآن پاک کا سننا قرآن کی بے حرمتی اور بے ادبی ہے۔ان سے آج کل کے اس نئے مروجہ شبینہ کا حال بھی معلوم ہو سکتا ہے جس میں سننے اور پڑھنے والے کسی کیلئے بھی نماز کی پابندی نہیں ہے۔بغیر نماز کے ہی پڑھنے والے پڑھتے ہیں اور سننے والے بغیر نماز کے ہی سنتے ہیں۔

البتہ اگر خلوصِ نیت سے ریا اور دکھلاوے کے بغیر دِلی شوق ورغبت کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھا اور سنا جائے اور سنانے والے بھی اخلاص کے ساتھ پڑھنے کے علاوہ تلاوتِ قرآن مجید میں صحت لفظی اور تجوید کا پورا لحاظ رکھیں اور مالی عوض کا بھی ان کو لالچ نہ ہو،پھر چاہے قرآن مجید ایک شب میں ختم

ہو جائے یا جس قدر بھی آسانی کے ساتھ ہو سکے اسی قدر کو غنیمت سمجھیں تو یہ ایک امر محمود اور قرآن مجید کی اشاعت اور لوگوں کو اس کی طرف رغبت وشوق دلانے کا باعث ہے۔ اور اگر نماز میں قرآن مجید سننے سنانے کا شوق ہو تو پھر ان امور کے لحاظ کے ساتھ اس امر کا بھی خاص خیال رکھا جائے کہ نفلوں کے اندر جماعت میں تین یا تین سے زیادہ آدمی شامل نہ ہونے پائیں۔ پھر بھی افضل یہ ہے کہ تین راتوں میں قرآن پاک ختم کریں، اس سے کم میں ختم نہ کیا جائے البتہ تنہا نفلوں میں جس قدر چاہیں پڑھیں۔ بعض سلف صالحین سے ایک شب وروز میں تین مرتبہ قرآن پاک کا ختم کرنا بھی ثابت ہے۔ مگر یہ عمل ان کا قرآن کے ساتھ شغف وانہماک اور محبت کی وجہ سے تھا اور پھر وہ تنہا اور اکیلے اس شوق ورغبت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ ان کے عمل سے مروجہ شبینوں کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

تنبیہ: آج کل اکثر شبینہ میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا رواج بھی عام ہے، اس میں چند خرابیاں ہیں: ایک مقام کی قرأت دوسرے مقام کی قرأت سے ٹکرائے گی۔ اس طرح آوازوں میں تصادم ہو کر کسی جگہ کی قرأت بھی سمجھ میں نہیں آئے گی اور اگر نماز میں شبینہ ہو رہا ہو گا تو اس میں قرأت کے اندر تصادم ہونے کے علاوہ کے بعض اوقات تکبیراتِ اِنتقالیہ میں بھی یہ التباس پیش آئے گا کہ اللہ اکبر ہمارے امام نے کہا ہے یا دوسری جگہ کے امام نے؟ تو اس طرح بعض آدمیوں کی نماز فاسد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ قرآن پاک اور ہر ذکر کا یہی حکم ہے اس کو اس طرح زور سے پڑھنا بالکل ناجائز ہے کہ اس کی وجہ سے کسی نمازی کی نماز میں خلل واقع ہو۔

دوسری خرابی اس صورت میں یہ ہے کہ اس سے رات کے وقت اکثر لوگوں کی نیند میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جو لوگ شوق ورغبت کے ساتھ قرآن کریم سننے کیلئے تیار ہوں، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو تمام رات نیند سے روکے رکھنا اور باز جائز نہیں ہے۔ پھر ان میں بہت سے لوگ ضعیف اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور کئی بیمار ہوتے ہیں ان کو لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے نیند نہیں آتی اور تکلیف ہوتی ہے۔

ایک خرابی یہ بھی ہے کہ جو لوگ قرآن کریم کے سننے کی طرف متوجہ نہیں اور اپنے حوائج میں مشغول اور منہمک ہیں ان کے سامنے قرآن کریم کو زور سے پڑھنا بے ادبی میں داخل ہے اور اس کے احترام کے خلاف ہے۔ایسی جگہوں میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے پڑھنے والا گنہگار ہوتا ہے اور یقیناً لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ایسے لوگوں کو بھی آواز پہنچتی ہے جو اُس کو سننے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ،تو گویا یہ بھی مواضع اشتغال میں پڑھنا ہوا۔

ایک اور خرابی یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک خارج از نماز بھی قرآن کریم کی تلاوت کے وقت سامعین کو خاموش رہنا اور توجہ کے ساتھ قرآن کریم کا سننا واجب ہے جبکہ ان کو کوئی عذر نہ ہو۔تو جن لوگوں کو اس آلہ کے ذریعہ قرآن کریم کی آواز پہنچے گی اور وہ بغیر عذر کے خاموشی اور توجہ کے ساتھ اس کو نہیں سنیں گے تو ترکِ واجب کی وجہ سے گناہگار ہوں گے۔اس طرح لاؤڈ اسپیکر استعمال گویا بہت لوگوں کو گناہگار بنانے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔

ایک خرابی یہ بھی ہے کہ سجدہ کی آیت کو ایسے لوگوں کے سامنے زور سے تلاوت کرنے کو علماء نے پسند نہیں کیا جو سجدہ کیلئے تیار نہ ہوں۔مگر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سجدہ کی آیت کی سماعت گھر بیٹھے ایسے لوگوں کو بھی ہو جاتی ہے جو قطعاً اس وقت سجدہ کے واسطے تیار نہیں ہوتے۔اب اگر انہوں نے سجدہ کر لیا تو خیر ورنہ گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ: جب تک سننے والے کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے اس وقت تک اس کے ذمہ سجدہ تلاوت نہیں ہوتا۔مگر جب آیتِ سجدہ پڑھ کر پڑھنے والا سجدہ میں چلا گیا تو سننے والے کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ پتہ چل گیا کہ یہ آیتِ سجدہ پڑھی گئی تھی اور پہلے وہ اس کو سن بھی چکا تھا تو اب سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا۔بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ سجدہ [کی] آیت کی تلاوت کے وقت لاؤڈ اسپیکر کو بند کر دیں گے مگر عام طور پر اس میں سُستی اور لاپرواہی ہو جاتی ہے۔ان امور کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شبینہ میں احتیاط کرنا چاہیے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر — تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

قومی اسمبلی پاکستان ۱۹۷۴ء میں قادیانی مسئلہ

پر بحث کی مصدقہ رپورٹ — قسط 81

(مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کی تمام گالیوں کو جو اسے دی گئیں جمع کر دیا)

میں......صرف یہ تین نمونے میں نے اس لئے کہ میں نے جواب اس سے شروع کیا کہ جس زمانہ میں وہ تین فقرے کہے گئے تھے۔ اس کا پس منظر ایک یہ تھا۔ ''کتاب الوحی'' ان کا......اس زمانہ میں جو گالیاں بانی سلسلہ احمدیہ کو دی گئیں۔ اس کا ایک مختصر سا ایک نمونہ آپ نے خود اپنی کتاب میں لکھ دیا۔ یہ (کتاب البریہ ص ۱۱۸، خزائن ج ۱۳ ص ۱۴۶ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی) ہے۔ ۱۸۹۸ء۔ یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جس زمانے کے اردگرد وہ فتاویٰ چکر لگا رہے ہیں جن کو میں نے ابھی پڑھا۔ نمونہ صرف تین کا۔ اس میں آپ نے خود، آپ کے خلاف جو کہا گیا وہ لکھ دیا۔ بے تکلف، بغیر کسی ڈر کے۔

[736] ''وہ فتویٰ جو ہماری تکفیر میں رسالہ ''اشاعت السنہ نمبر پانچ'' جلد ۱۳ میں شائع ہوا۔ اس کے راقم اور افتاء کے مجیب یہی شیخ الکل ہیں۔ راقم فتویٰ یعنی میاں صاحب اس فتویٰ میں ذیل کے الفاظ میری نسبت استعمال کرتے ہیں: ''اہل سنت سے خارج، اس کا عملی طریق ملحدین باطنیہ وغیر اہل ضال کا طریق ہے۔ اس کے دعوے واشاعت اکاذیب اور اس ملحدانہ طریق سے اس کو تیس دجالوں میں سے، جن کی خبر حدیث میں وارد ہے، ایک دجال کہہ سکتے ہیں۔ اس کے پیرو ہم مشرب وذریات دجال۔ خدا پر افتراء باندھنے والا۔ اس کی تاویلات الحاد وتحریف کذب وتدلیس سے کام لینے والا۔ دجال، بے علم، نافہم، اہل بدعت وضلالت۔''

پھر شیخ محمد حسین بٹالوی ''اشاعت السنہ'' یکم لغایت ششم، جلد شانزدہم، ۱۸۹۳ء میں مرزا قادیانی نے (کتاب البریہ ص ۱۱۹، خزائن ج ۱۳ ص ۱۴۷) پر لکھا: ''اسلام کا چھپا دشمن، مسیلمہ ثانی دجال زمانی، نجومی، رملی، جوتشی، اٹکل باز، جفری......(یہ جفری ہے؟) بھنگل، پھکڑ، اڑپوپو، اس کا موت کو نشان ٹھہرانا حماقت وسفاہیت شیطان ہے۔ مکار، جھوٹا، فریبی، ملعون، گستاخ، شوخ، مثیل الدجال، اعور دجال، غدار، پرفتنہ ومکار، کاذب، کذاب، ذلیل وخوار، مردود، بے ایمان، روسیاہ، مثیل مسیلمہ واسود، رہبر بلاحدہ، عبدالدراہم، والدنانیر، تمغات لعنت کا مستحق، مورد ہزار لعنت، خدا وفرشتگان ومسلمانان، کذاب، ظلام مفتری علی اللہ، جس کا الہام احتلام ہے۔ پکا کاذب، ملعون، کافر، فریبی، حیلہ ساز، اکذب، بے ایمان، بے حیا، دھوکہ باز، حیلہ باز، بھنگی، بازاری شہدوں کا سرگروہ، دہریہ، جہان کے احمقوں سے زیادہ احمق، جس کا خدا معلم الملکوت شیطان، محرف، یہودی، عیسائیوں کا بھائی، خسارت مآب، ڈاکو، خونریز، بے شرم، بے ایمان، مکار،

طرار، جس کا مرشد شیطان علیہ لعنتہ، بازاری شہدوں، چوہڑوں، بہائم اور وحشیوں کی سیرت اختیار کرنے والا، مکر، چال، فریب کی چال والا، جس کی جماعت بدمعاش، بدکردار، جھوٹ بولنے والی، زانی، شرابی، مال مردم خور، دغاباز، مسلمانوں کو دام میں لا کر ان کا مال لوٹ کر کھانے والا۔ ایسے سوال وجواب میں یہ کہنا حرام زادگی کی نشانی ہے۔ اس کے پیروخران بے تمیز۔

[737] یہ غزنویوں کی طرف سے فتویٰ جو شائع ہوا: ''وہ ان امور کا مدعی، رسول خدا کا مخالف ہے۔ ان لوگوں میں سے جن کے حق میں رسول اللہ a نے فرمایا ہے کہ آخر زمان میں دجال کذاب پیدا ہوں گے ان سے اپنے آپ کو بچاؤ، تم کو گمراہ نہ کریں اور بہکا نہ دیں۔ اس قادیانی کے چوزے ہنود ونصاریٰ کے مخنث ہیں۔''

احمد بن عبداللہ غزنوی، بہ صفحہ ۲۰۱: ''قادیانی کے حق میں میرا وہ قول ہے جو ابن تیمیہ کا قول ہے۔ جیسے تمام لوگوں سے بہتر انبیاء علیہ السلام ہیں۔ ویسے تمام لوگوں سے بدتر وہ لوگ ہیں جو نبی نہ ہوں اور نبیوں سے مشابہ بن کر نبی ہونے کا دعویٰ کریں۔ یہ بدترین خلائق ہیں۔ تمام لوگوں سے ذلیل تر، آگ میں جھونکا جائے گا۔''

احمد بن عبداللہ غزنوی صفحہ ۲۰۲: ''غلام احمد قادیانی کج راہ و پلید فاسد ہے اور راہ کھوتی گمراہ ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا، چھپا مرتد، بلکہ وہ اپنے اس شیطان سے زیادہ گمراہ...... بلکہ وہ اپنے اس شیطان سے زیادہ گمراہ...... جو اس کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ یہ شخص ایسا اعتقاد پر مرجائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور نہ یہ اسلامی قبرستان میں دفن ہو۔''

۱۳۱۴ھ میں عبدالحق غزنوی نے یہ لکھا: ''دجال، ملحد، کاذب، روسیاہ، بدکار، شیطان، لعنتی، بے ایمان، ذلیل، خوار، خستہ، خراب، کافر، شقی سرمدی ہے۔ لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے۔ لعن وطعن کا جوت اس کے سر پر پڑا۔ بے جا تاویل کرنے والا۔ مارے شرمندگی کے زہر کھا کر مرجاوے گا۔ بکواس کرتا ہے۔ رسوا ذلیل شرمندہ ہوا۔ اللہ کی لعنت ہو۔ جھوٹے اشتہارات شائع کرنے والا۔ اس کی سب باتیں بکواس ہیں۔''

پھر ۲۳ رجولائی ۱۸۹۲ء میں یہ فتویٰ صادر ہوئے بانی سلسلہ احمدیہ کے متعلق: ''مرزا صاحب دھوکہ باز اور گمراہ کرنے والا۔ مرزا صاحب تارک جمعہ و جماعت، وعدہ خلاف، سیرت محمدی سے کوسوں دور۔ مرزا عیار، جھوٹا دعوے دار۔ مرزا صاحب چالاک اور بچہ باز۔ مرزا صاحب فضول خرچ، مسرف، حیلہ ساز۔''

[738] اس کے بعد ۱۳۱۳ھ کا فتویٰ ہے، صفحہ ایک سے آٹھ تک۔ یہ ہیں ''کتاب البریہ ص ۱۲۲، خزائن ج ۱۳ ص ۱۵۰) پر مرزا قادیانی لکھتے ہیں۔ اصل وہی حوالہ ہے: ''قادیانی، رافضی...... بے پیر، دجال، یزید، اس کے مرید یزیدی، خانہ خراب، فتنہ گر، ظالم، تباہ کار، روسیاہ، بے شرم، احمق، کاذب، خارجی، بھانڈ،

یادہ گو، غبی، بدمعاش، لالچی، جھوٹا، کافر۔ مفتری، ملحد، دجالی حمار، اخبث، بکواسی، بدتہذیب، مشرکانہ خیال کا آدمی۔ اس کا گاؤں منحوس ہے۔ اس کی دجالیاں اور مکاریاں اور رمالیاں اظہر من الشمس ہیں۔ اس کی کتابیں ایمان اور دین کا ازالہ کرنے والی ہیں۔"

پھر محمد رضا شیرازی کے حوالہ سے مرزا غلام احمد قادیانی نے (کتاب البریہ ص۱۲۲، خزائن ج ۱۳، ص ۱۵۰) پر لکھا: "مرزا کاذب ہے۔ مفتری، یادہ گو، تباہ کار، مکار، بغی، غوی، غبی، گمراہ، نادان، فضول، ڈھکوسلی، بے ہودہ سرائے، کاذب، جھوٹا، دروغ گو، بے شرم، ننگ خلائق، کاذب، بانی ملت مبتدعہ، تلبیس کرنے والا، داعی ملت بدعیہ، سرکش طبع، راندہ درگاہ ازلی، گم کردہ صراط مستقیم، سوئے فہم، یادہ پیمائی کرنے والا، چاہ ژاژخایاں چاہ ضلالت میں ڈوبا ہوا، اور گمراہی کے تزویر میں پھنسا ہوا، عجب وتکبر میں گرفتار، مزغرفات موہومہ باطلہ کا کہنے والا۔ اس کی جماعت ضلالت وگمراہی میں ہے۔ اس کی مراسلت سراسر فضول ولچر ہے۔ اس کے دلائل سب وشتم وفحش سے بھرے ہوئے ہیں۔ مرزا مقہور شکستہ بال ہے۔ اس کی باتیں ہفوات و ہزلیات ہیں۔ وہ گمراہ غبی ہے۔ اس کی تحریرات میں خرافات ہیں۔ اس کے ذہن کے ترشحات گندیدہ ہیں۔ اس کا مدعا زور وطغان ہے۔ شتم وفحش وبہتان لانے والا۔ افتراء کذب کے دلائل پیش کرنے والا۔ شناعت و فضیحت کے سوا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ کاذب دار لبوار میں جائے گا۔ ظلمت، کفر، طغیان، ان کی وجہ سے دنیا میں ہے۔"

یہ پس منظر تھا جس میں اب ہم نے دیکھا ہے ان تین فقروں کو جن کی طرف مجھے توجہ دلائی گئی۔

پہلے ہم لیتے ہیں...... میں لے رہا ہوں سعد اللہ لدھیانوی۔ آپ نے اس کے متعلق شعر لکھا:

اذیتنی خبثا فلست بصادق ان لم تمت بالخزی یاابن بغاء

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۵، خزائن ج ۲۲ ص ۴۴۶)

اور "انجام آتھم"[739] میں اس کے متعلق ۱۹۰۷ء میں الحکم میں ایک نوٹ ہے جس میں ابن بغاء کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے اور وہ ہے "اے سرکش انسان۔" "یہ سرکش" جو "ابن بغاء" کے معنی ہیں، ان کے متعلق میں آگے بھی کچھ کہوں گا لغت وغیرہ سے۔ اخبار "اہل حدیث" ۲۶/ جولائی ۱۹۱۲ء...... وہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا...... یہ مولوی ثناء اللہ صاحب بڑے مشہور مناظر ہیں۔ انہوں نے اپنے اخبار "اہلحدیث" ۲۶/ جولائی ۱۹۱۲ء میں لکھا: "بغی کے معنی......"

"اہلحدیث" میں انہوں نے لکھا "بغی" کے معنی اس کے نیچے کہ اس کے معنی کیا ہیں: "حاکم وقت، بادشاہ وقت، سردار قبیلہ وغیرہ کی نافرمانی اور سرکشی۔"

"اہلحدیث" میں یہی معنی "سرکشی" کے آئے۔ "بغا" کے۔

آپ نے سعد اللہ کے متعلق "تتمہ حقیقت الوحی" میں لکھا، بانی احمدیہ نے: "میں نے اس (سعد اللہ

لدھیانوی......اسی کا ذکر ہے یہاں) کی بدزبانی پر بہت صبر کیا اور اپنے تئیں روکا کیا۔لیکن جب وہ حد سے گزر گیا اور اس کے اندرونی گند کا پل ٹوٹ گیا تب میں نے نیک نیتی سے اس کے حق میں وہ الفاظ استعمال کئے جو محل پر چسپاں تھے۔اگرچہ وہ الفاظ جیسا کہ مذکورہ بالا الفاظ میں مندرج ہیں۔بظاہر کسی قدر سخت ہیں،مگر دشنام دہی کے قسم میں سے نہیں۔مگر واقعات کے مطابق ہیں اور عین ضرورت کے وقت لکھے گئے ہیں اور ہر ایک نبی حلیم تھا۔(یہ آگے پہلے انبیاء کی مثال دی ہے) مگر ان سب کو واقعات کے متعلق......(سارے انبیاء اور آنحضرت a ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں یہ اسوۂ حسنہ کی طرف اشارہ ہے۔)ان سب کو واقعات کے متعلق اپنے الفاظ اپنے دشمنوں کی نسبت استعمال کرنے پڑتے ہیں[۱]"

(تتمہ حقیقت الوحی ص ۲۰، ۲۱، خزائن ج ۲۲ ص ۴۵۲)

یہ جو واقعہ ہے سعد اللہ صاحب کا یہ علامہ اقبال صاحب کے کان میں بھی پڑا اور انہوں نے ایک نظم لکھی۔اچھی خاصی لمبی ہے۔یہ چار پانچ شعر میں نے اس میں سے لئے ہیں چار شعر اور یہ نظم چھپی ہے مطبع الحق، دہلی میں ستمبر ۱۹۱۲ء میں۔اس وقت علامہ اقبال ایف۔اے میں پڑھ رہے تھے۔ایف اے کی کلاس میں تھے۔کانونٹ مشن سکول سیالکوٹ میں۔انہوں نے یہ مولوی سعدی[740] کو مخاطب کر کے اسی واقعہ پر یہ لکھا[۲]:

"واہ سعدی دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی — خوب ہوگی مہتروں میں قدردانی آپ کی
بحث سعدی آپ کی بیت الخلاء سے کم نہیں — ہے پسند خاک رویاں شعر خوانی آپ کی
گوہر بے راہ جھڑے ہیں آپ کے منہ سے سبھی — جان سے تنگ آ گئی ہے بھترانی آپ کی
قوم عیسائی کے بھائی بن گئے پگڑی بدل — واہ کیا اسلام پر ہے مہربانی آپ کی"

یہ علامہ اقبال کے شعر ۱۹۱۲ء میں یہ سعد اللہ لدھیانوی کے حق میں کہے گئے ہیں۔

دوسری مثال آپ نے دی تھی گولڑہ شریف والوں کی۔وہ پس منظر میں نے بتادیا ہے۔وہ ہمارے اس وقت ذہن میں ہے۔یہ گولڑہ والوں نے......گولڑہ شریف والوں نے ایک اور......بہرحال،ان کی طرف منسوب ایک نظم لکھی۔ایک سیف چشتیائی میں ایک نظم لکھی......

۱۔ مرزا قادیانی ملعون کا اپنے گالیوں کے دفاع میں یہ کہنا کہ انبیاء علیہم السلام بھی درشت گوئی کے مرتکب ہوئے تھے۔ملعون قادیانی نے اپنے دفاع میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دینے والا ثابت کیا۔(معاذ اللہ) ہے کوئی قادیانی شریف انسان جو مرزا قادیانی کے اس کفر پر تف کہہ کر شرافت کا ثبوت دے۔

۲۔ قادیانی......خدا تعالیٰ، آنحضرت ﷺ، قرآن وسنت پر افتراء کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔اگر علامہ اقبالؒ کے خلاف جھوٹ منسوب کر دیا ہو تو کیا بعید ہے۔

جناب یحییٰ بختیار: وہ تو ایک حوالہ ہے سیف چشتیائی کا، انہوں نے ایک نظم لکھی۔

مرزا ناصر احمد: انہوں نے ایک نظم لکھی جو سیف چشتیائی میں چھپتی ہے۔ خود شاعر ہی ہے۔ وہی ایک ہی بات ہے۔ سیف چشتیائی۔ ان کی ایک کتاب ہے۔ ایک نظم انہوں نے اپنی اس کتاب، سیف چشتیائی میں نے، اپنی کتاب میں شائع کرائی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

"الا اے میرزا تا کیف تو حال این و آں بینی
دے چشم دلت وا کن کہ نور عین جاں بینی
بہ تکذیب امامت تو ندا از آسمان آمد"

[741] شعر کی وجہ سے تو وہ نیچے زیر نہیں ہے۔

"بزودی پیش حق شاداں گروہ دشمنان بینی"

اب یہ اگلا شعر ہے۔ سننے والا۔ پہلے وہ میں نے اس لئے پڑھ دیا تھا کہ "الا اے مرزا" قید لگ جائے کہ حضرت مرزا صاحب کو انہوں نے مخاطب کیا ہے:

"زمین نفرت کند از تو فلک گرید برا حوالت"

زمین تجھ سے نفرت کرتی ہے اور غصہ میں فلک کی، آسمان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

"ملک لعنت کناں نزد خدا بر آسماں بینی"

اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتے جو ہیں وہ تجھ پر لعنت کر رہے ہیں، ملعون کیا جاتا ہے۔ تو اس کے مقابلے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ لکھا:

اتانی کتاب من کذوب یزوّر کتاب خبیث کالعقارب یا بر فقلت......

انہوں نے کہا: "آسمان پر فرشتے تجھ پر لعنت کرتے ہیں۔" جواب میں اتنا کہا: "تم پر آسمانی لعنت ہو۔" بس انہوں نے ......ان کے ایک شاگرد تھے مولوی عبدالاحد خان پوری، وہ گولڑہ شریف والوں کے، جنہوں نے یہ نظم لکھی۔ ان کے ایک شاگرد تھے مولوی عبدالاحد خان پوری اور انہوں نے ایک کتاب لکھی۔ یہ ان سے پھر گئے اور بے نقطہ گالیاں اپنے پہلے پیشوا اور ہادی کو دیں۔ میں ان میں سے کوئی نہیں پڑھوں گا اقتباس۔ میں صرف یہ حوالہ دینا چاہتا ہوں بہت سارے اقتباس لکھ دیئے تھے۔ لیکن میں ان کو پسند نہیں کرتا۔ وہ جانیں اور ان کے شاگرد جانیں۔

اور تیسرا حوالہ۔ یہ حوالہ ہے۔ ہاں، یہ ہاں، جناب رشید احمد صاحب گنگوہی کے متعلق بھی چند الفاظ تھے جن کا آپ نے ذکر کیا تھا۔ وہ نمبر ۳ ہیں۔ ان کے متعلق اس زمانے میں جو دوسروں نے فتوے دیئے وہ میں ابھی پہلے پڑھ چکا ہوں اور میں بتا رہا تھا کہ اس زمانے میں پس منظر یہ تھا۔ انہوں نے بانی سلسلہ پر ایک فتویٰ دیا جو "اشاعت السنہ" جلد ۱۳ ص ۱۵۶ پر شائع ہوا ہے۔ باقی آئندہ

مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا جائزہ

(مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی)

پہلا دور...... ۱۷۳۱ء تا ۱۷۶۳ء

منتشر طاقتوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے بنیادی نظریات کی ترتیب اور مرکزی ادارہ کا قیام۔ ارکان: (۱) شاہ ولی اللہ دہلوی (۲) مولانا محمد عاشق پھلتی (۳) مولانا نور احمد بڈھانوی (۴) مولانا محمد امین کشمیری۔

دوسرا دور...... ۱۷۶۴ء تا ۱۸۳۱

(۱) شاہ عبدالعزیز (۲) شاہ عبدالحی (۳) شاہ سید احمد شہید (۴) شاہ محمد اسماعیل شہید

نوٹ: آزادی کے پہلے اور دوسرے دور کے رہنماؤں نے واسکلاری سے لیکر پشاور تک اور شملہ سے لے کر بھوٹان تک، شہروں سے لیکر چھوٹے چھوٹے گاؤں تک کمپنی کے اقتدار کے خلاف بغاوت پھیلائی جس میں ہندوستان کے ۹۹ فیصد مسلمان شامل تھے۔

تیسرا دور...... ۱۸۳۱ء تا ۱۸۶۶ء

(۱) شاہ اسحاق (۲) شاہ عبدالغنی (۳) حاجی امداد اللہ (۴) مولانا محمد قاسم (بانی دارالعلوم دیوبند) (۵) مولانا رشید احمد گنگوہی (۶) مولانا عبدالقادر لدھیانوی (۷) مولانا عنایت علی صاحب ان رہنماؤں کی رہنمائی میں ہندوستان کے مسلمانوں نے پھر ایک انقلاب کرنے کی کوشش کی، اس تحریک میں بھی خفیہ اور اعلانیہ انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی، یہ بغاوت بھی ناکام ہوئی، جس کے بعد مسلمانان ہند پر انتہائی مظالم توڑے گئے، ان مظالم کا ہندوستان کے ایک ہزار شہروں اور دیہاتوں پر اثر ہوا جو کلیتاً مسلمانوں کی کثیر آبادیوں کے شہر اور دیہات تھے، اس بغاوت میں مسلمانوں کے مسلح گوریلا چھاپہ ماروں نے حصہ لیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں جو مظالم ڈھائے گئے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تصویر کا دوسرا رخ ۱۸۵۷ء لکھنے والے امریکن مورخ نے لکھا ہے کہ صرف دہلی میں فوج اور پولیس کے علاوہ تین لاکھ مسلمان قتل کیے گئے۔ اس سلسلہ کی باقی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان، مصنف ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر،

تصویر کا دوسرا رخ شاندار ماضی مصنفہ مولانا محمد میاں اور روشن مستقبل مصنفہ طفیل احمد کاظمی مرحوم نصرة الابرار اسباب بغاوت سر سید کمپنی کی حکومت از پروفیسر باری، ہندوستان میں بدیسی راج۔

چوتھا دور...... ۱۸۸۴ء تا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء

وہ شخصیات جنہوں نے ہندوستان کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا:

(الف)......(۱) مولانا محمد قاسم (۲) مولانا رشید احمد گنگوہی (۳) مولانا شاہ عبد القادر لدھیانوی

(ب)...... (۱) شیخ الہند مولانا محمود الحسن (اسیر مالٹا) (۲) مولانا ابوالکلام آزاد (۳) مولانا محمد علی (۴) مولانا عبد الباری

(ج)......(۱) حضرت مولانا حسین احمد مدنی (۲) حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی (۳) مولانا عبید اللہ سندھی (۴) مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری (۵) حکیم اجمل خان دہلوی (۶) ڈاکٹر انصاری صاحب (۷) تصدق احمد خان صاحب شیروانی

(د)......(۱) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۲) مولانا احمد سعید دہلوی (۳) خان عبد الغفار خان (۴) مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (۵) عبد الصمد خان بلوچستان (۶) رفیع احمد قدوائی

وہ جماعتیں جنہوں نے ہندوستان کی آزادی میں نمایاں حصہ لیا:

(۱) خلافت کمیٹی (۲) جمعیت علماء ہند (۳) مجلس احرار اسلام (۴) انجمن وطن بلوچستان (۵) برچاسٹک پارٹی (۶) کشمیر نیشنل کانفرنس (۷) خدائی خدمتگار

مذکورہ مسلمان جماعتوں کی آواز پر قربانی دینے والے عام مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل ہیں:

(۱) تحریک خلافت میں گرفتار ہونے والے مسلمان جو گاندی جی کی رہنمائی میں قید ہوئے، دو لاکھ تھے۔

اس تحریک میں انگریز کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں نے مجموعی طور پر پانچ کروڑ روپیہ صرف کیا اور تقریباً بیس کروڑ روپے کا مجموعی نقصان اٹھایا جس میں جرمانے، بزنسی کپڑے کا جلانا اور تجارتی نقصان شامل ہے۔

(دیکھئے مضامین ڈاکٹر سید محمود، خلافت تحریک)

کانگریس تحریک میں مسلمانوں کا حصہ

صوبہ سرحد میں ۱۹۳۰ء میں چالیس ہزار سرخ پوش گرفتار ہوئے، تیس ہزار گولیوں سے اڑا دیئے گئے۔ چار ہزار سرخ پوش خصی کیے گئے۔

پنجاب میں ۱۹۳۰ء میں پانچ ہزار مسلمان گرفتار ہوئے، یوپی میں دس ہزار، بہار میں تین ہزار، آسام میں تین ہزار، بنگال میں چار ہزار، بمبئی میں تین ہزار اور سندھ میں چار ہزار۔ یہ کل میزان ستتر ہزار بن گئی۔

نظر بندیاں اور پھانسیاں ۱۸۵۷ء میں تین ہزار مسلمان انڈمان میں لے جا کر نظر بند کیے گئے، ۱۸۵۷ء میں ۵ لاکھ مسلمانوں کو سزائے موت دی گئی۔ (دیکھئے کتاب "تصویر کا دوسرا رخ)۔ ۱۹۱۴ء میں ڈھائی سو مسلمانوں کو ہندوستان کی مختلف جگہوں پر نظر بند رکھا گیا۔ ان نظر بندوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی اور مولانا محمد علی شامل تھے۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب کی پارٹی کو مالٹا میں نظر بند کیا گیا۔ (دیکھئے "اسیر مالٹا)

۱۹۳۹ء میں کانگریس اور جمعیت علماء ہند کے حکم پر جنگ کے خلاف سرگرمیاں جاری رکھنے کے سلسلہ میں دس ہزار مسلمانوں نے قید اور نظر بندی کی زندگی گزاری۔ یہ قید اور نظر بندی ایک سال سے چھ سال تک جاری رہی۔ ان رہنماؤں کے علاوہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۰ء کو پنجاب میں مجلس احرار کے ایک حکم پر جنگ کے خلاف تحریک شروع ہوئی جس میں ہزاروں رضا کار تین مہینے کے اندر اندر گرفتار ہوئے، ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۴ء تک اندرون ہند جمعیت علماء ہند اور کانگریس کی تحریک میں اور بیرون ہند آزاد ہند فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں نے چالیس فیصد قربانیاں دیں۔

کانگریس کے حق میں علماء کرام کے فتویٰ

۱۸۸۶ء میں علماء لدھیانہ نے کانگریس میں شامل ہونے کا فتویٰ دیا جس پر کل ہندوستان کے ایک ہزار علماء کے دستخط موجود ہیں۔ یہ علماء ہندوستان کے ایک ہزار شہروں میں رہنے والے ہیں اور یہ شہر ہندوستان کے گیارہ صوبوں اور ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان علماء کے علاوہ اس فتویٰ پر مدینہ منورہ اور بغداد شریف کے علماء کے دستخط ہیں۔

فوجی بھرتی کے خلاف جمعیت علماء ہند کا فیصلہ

۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند نے فوجی بھرتی کے خلاف ایک مختصر سا فتویٰ دیا، اس فتوی پر ایک ہزار علماء ہند کے دستخط ہیں۔فوجی بھرتی کے خلاف فتوے کو ہندوستان کے تین لاکھ پرائمری عربی مدارس نے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا۔

مقدمہ پٹنہ کیس ہندوستان کی جنگ آزادی میں پہلا مقدمہ پٹنہ کیس کے نام سے انگریز نے ۱۸۶۴ء میں چلایا جس میں پٹنہ کے نواب اور علماء ہند کی ایک مختصر جماعت شامل تھی۔اس کیس میں علماء کو پھانسیاں، جلاوطنی اور لمبی سزائیں دی گئیں۔

انبالہ کیس

انبالہ میں بھی اسی قسم کا ایک مقدمہ چلایا گیا جس میں انیس علماء ہند کو پھانسی کا حکم دیا گیا جو بعد میں انڈمان کو جلاوطنی میں بدل دیئے گئے۔

کراچی کیس

۱۹۳۰ء میں فوج کی بھرتی کے خلاف شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا محمد علی مرحوم کے علاوہ اٹھارہ ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا۔ یہ مقدمہ ہندوستان کی تاریخ کا یادگار مقدمہ ہے، کیونکہ حکومت ہند کے بیان کے مطابق اس فتوے کے بعد فوجوں میں عام بغاوت پھیل رہی تھی۔اس مقدمہ کی وجہ سے ہندوستان کے تقریباً پانچ ہزار سپاہی اور چار سو اعلیٰ افسران مستعفی ہوئے۔

جنگ آزادی میں مدد کرنے والے ادارے

(۱) دیوبند سکول (۲) جامعہ ملیہ سکول (۳) جامعہ ڈابھیل پرائمری عربی مدارس، صوبہ بنگال چھ ہزار، صوبہ بہار نو ہزار، صوبہ پنجاب چار ہزار، صوبہ یوپی پندرہ ہزار، صوبہ سرحد تین ہزار، صوبہ سی پی دو ہزار، صوبہ مدراس دو ہزار، صوبہ آسام نو ہزار، صوبہ بمبئی آٹھ ہزار، صوبہ سندھ دو ہزار، صوبہ دہلی ایک ہزار۔ کل میزان ساٹھ ہزار۔(دیکھو سالانہ رپورٹیں دارالعلوم دیوبند تیس سالہ)

یہ ہے ہندوستان کے مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا ایک مختصر سا خاکہ جس میں ایک پوری تاریخ پوشیدہ ہے۔

قصیدہ میمیہ ونعت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم

کہاں کہاں پھرائے گی گردش ایام
کبھی تو پائے کہیں خاطر حزیں آرام

رسول ایسا کہ مرسل ہیں، امتی اس کے
دوبارہ شاہ سب بادشاہ اس کے غلام

خدا ہے عارف و مداح ذات عالی کا
جو کوئی مدح کا دعویٰ کرے خیال ہے خام

جو کوئی آپ کی الفت میں بودے دیوانہ
نہیں ہے اس کو جنوں اور نہیں اسے برسام

جو دیکھے آپ کو دیکھا ہے اس نے بے شک حق
وہ خواب خواب ہے اضغاث ہے نہ وہ احلام

تمہارے حق میں زمیں مسجد و طہور ہوئی
ہوا ہے رعب سے مفتوح روم سے تا شام

یبایعونک انما یبایعون اللہ
تمہارے ہاتھ پر بیعت کا یہ ہوا اکرام

اطاعت آپ کی بالکل اطاعت حق ہے
ومن یطع میں نہیں کسی نوع کا نہیں ابہام

کہا نہ آپ کا مانے وہ کیوں نہ ہو کافر
کلام آپ کا ہے وحی اور خدا کا کلام

شرف ہے آپ سے اباء اور انباء کو
مکرم آپ سے اخوال اور سب اعمام

وہ کون ہے کہ نہیں ذات پاک کا خادم
مقام غار میں حاجب ہیں عنکبوت و حمام

گواہ آپ کے ہیں سو حمار و مار و شتر
بہائم اور طیور اور وحوش اور ہوام

ہے سنگریزوں کا نطق اور طعام کو تسبیح
ستون چوب کا گریہ ہے اور حجر کا سلام

ہوا ہے انگلیوں سے بحر بیکراں کا جوش
ہے ایک جام سے سیراب سارے تشنہ کام

تمہارا وصف سے ایمان تازہ ہوتا ہے
تمہارا وصف زباں پر علامت اسلام

بدولت آپ کے پائی ہے دولت ایماں
کیا ہے آپ نے آغاز کیجئے اتمام

یہ سچ ہے ہم نہیں لائق نگاہ یا عالی کے
مگر بجز درِ دولت کدھر کو جائیں غلام

تمام خلق کی ہووے گی آپ پر ہی نگاہ
جب آپ بحرِ شفاعت کریں گے وہاں اقدام

وہ جتنے آپ کے ہیں آل پاک میں شامل
صحابہ آپ کے جو ہیں فدائی اور خدام

الٰہی سب پہ نازل ہزار لاکھ کروڑ
زیادہ سنکھ مہاسنکھ سے صلوٰۃ وسلام

یہ آرزو ہےء کہ ورد زباں سدا ہی رہے
جہاں سے جاؤں تو ہووے زباں پہ آپ کا نام

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

مسلمان عورت سے دین کے تقاضے

آج تہذیب جدید نے کچھ ایسا فریب دے دیا ہے کہ ''گھر کی نصف آبادی بے کار پڑی ہے، اس کو ملک کی خدمت کے لیے باہر نکالو'' اور مسلمان عورت اس فریب کا شکار ہوگئی ہے، جب اللہ ہم سے یہی تقاجا کرتا ہے کہ تمہارے ذمے دنیا کے کسی فرد کی خدمت واجب نہیں، نہ تمہارے کندھوں پر کسی ذمہ داری کا بوجھ ہے، تم ہر بوجھ اور ذمہ داری سے آزاد ہو، لیکن صرف ایک بات ہے کہ اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اپنے شوہر کی اطاعت کرو، اپنے بچوں کی تربیت کرو، یہی تمہارا فریضہ ہے، اس کے ذریعے سے تم قوم کی تعمیر کر رہی ہو، ملکی ترقی، مسلمانوں کی ترقی، مستقبل کی تعمیر میں اپنا پورا حصہ ڈال رہی ہو............ آخرت میں اس کا پورا پورا اجر وصول کروگی، یہ جو عزت کا مقام ہمیں اللہ دے رہا ہے، دنیا کا سکون اور آخرت کا اجرا، کیا یہ بہتر ہے یا وہ ذلت کا مقام جو گھر سے باہر نکل کر عورت کو سہنا پڑتا ہے؟

پھر جب خواتین دوہرے بوجھ اٹھاتی ہیں، اپنے فطری وظائف بھی ادا کرتی ہیں اور کسب معاش میں بھی ڈالتی ہیں، تو کیا اس طرح وہ اپنے گھر میں عزت کا مقام پا لیتی ہیں؟ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ دوگنا کام کرنے کے باوجود شوہر کبھی عورت کا شکر گزار نہیں ہوتا، اس کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ عوت پر غلبہ و کنٹرول رکھے، بسا اوقات مرد حضرات یہ دیکھ کر کہ اب ان کی بیویاں کمارہی ہیں، خود کسب معاش میں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، سارا دن گھر میں پڑے رہتے ہیں اور تھکی ماندی عورت کے اوپر حکم چلاتے رہتے ہیں۔ آخر اکیلی عورت ہی قوم کی تعمیر کی ذمہ دار کیوں؟ کیوں عورت مردوں کے مقابلے پر آنے کے لیے اپنی جان ہلکان کر رہی ہے؟ لاکھ کمائی کرے مگر وہ مرد نہیں بن سکتی، رہے گی عورت ہی البتہ اس کی کمائی کے بل بوتے پر اس کا شوہر گل چھرے ضرور اڑاتا ہے اور ساتھ اسے ذہنی دباؤ میں بھی

بتلا رکھتا ہے، مساوات کا نعرہ ہے ہی غیر فطری اور غیر طبعی۔ آخر مساوات مرد وزن کا نعرہ لگا کر عورت کو مرد بننے پر کیوں مجبور کیا جا رہا ہے؟ کبھی کسی مرد نے عورت بننے کی کوشش کی ہے، اگر یہ مساوات فطری ہے تو پھر لازماً مردوں کو بھی عورتوں کے برابر آنے کے لیے مظاہرے اور جلسے جلوس کرنے چاہئیں تھے، عورتوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کی نسائیت کو اس نعرے سے کتنا شدید نقصان پہنچا ہے۔

اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورت کو صنف نازک قرار دے کر اس کی دلجوئی کرنے کا حکم دیا تھا، یہاں عورتیں خود ہی اپنی نزاکت کو لات مار کر مرد بننا چاہتی ہیں۔ اس سے وہ مرد تو نہ بن سکیں لیکن مردوں کی نسبت دوہرے کام پر مجبور ہوگئیں۔

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا　　تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

اہل مغرب مرد وزن میں جس مساوات کے قائل ہیں، اس کا سیدھا سادھا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کو یکساں صلاحیتیں اور قوتیں دی ہیں، جو کچھ مرد کر سکتا ہے، بعینہٖ وہ سب کچھ عوت بھی کر سکتی ہے۔

لہٰذا معاشرہ میں دونوں کا دائرہ کار بھی یکساں ہونا چاہیے اور حقوق وفرائض بھی یکساں ہونے چاہئیں، اس کے برعکس اسلام کے نزدیک دونوں کی اپنی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اللہ کے ہاں یکساں قدر وقیمت اور اجر وثواب کے مستحق ہیں۔

اسلام مرد اور عورت دونوں کی فطری اور جسمانی صلاحیتوں کے لحاظ سے معاشرے میں ان کو الگ الگ ایسا دائرہ کار مہیا کرتا ہے جس میں کام کر کے وہ بہترین طریقے پر معاشرے کو فائدہ پہنچا سکیں اور تعمیر تمدن میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

اس کے برعکس مرد وعورت دونوں کو مغربی نظریہ مساوات یکساں صلاحیتوں والا قرار دے کر دونوں کو ایک ہی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہے،

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت اپنی فطری صلاحیتوں کے برعکس دوسرے مقام پر استعمال کی جاتی ہے تو اس کا اپنا تشخص اور صحت بھی برباد ہوتی ہے اور معاشرہ بھی اس کے خراب نتائج سے نہیں بچ سکتا۔

فیصل آباد کے قدیم اور تاریخی مدرسہ

بڑھتی ہوئی بجلی کی ضروریات اور مہنگائی کے پیش نظر

جامعہ ملیہ اسلامیہ،

مسجد مدرسہ والی، میں

(سولر سسٹم)

کی تنصیب میں تعاون کی ضرورت ہے

شمسی توانائی (سولر سسٹم)

الحمدللہ سولر سسٹم کا ایک حصہ مکمل ہوگیا ہے،

بقایاجات کی ادائیگی کے لئے
بھرپور تعاون کی درخواست ہے

50KW

فوری ضرورت برائے تعاون

6,000,000

ساٹھ لاکھ روپے

تمام حضرات اپنی طرف سے اور عزیز و اقارب مرحومین
کی طرف سے خوب حصہ ڈالیں

مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی مہتمم
جامعہ ملیہ اسلامیہ، محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد
مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی نائب مہتمم
041-8711569
0300-9657076

Monthly
Magazine
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

علوم دینیہ پڑھنے والے مسافر طلبا و طالبات
کی خدمت آپ کا دینی و قومی فریضہ ہے

اپنے اور اپنے مرحومین کے لیے ذخیرہ آخرت بنانے کا بہترین سنہری موقع

زکوٰۃ | صدقات | صدقاتِ واجبہ | عُشر | عطیہ

کے ذریعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مالی تعاون کے لئے پہلے سے زیادہ فکر فرمائیں اور دیگر احباب کو بھی اس طرف متوجہ فرمائیں اور جامعہ کے مسافر اور مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کریں۔

برائے رابطہ:

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد
محلہ خالصہ کالج، P.O. مدینہ ٹاؤن،
041-8711569 0300-9657076
www.milliafsd.com